علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

شمارہ:12 جلد:24 دسمبر2015ء/ ربیع الاول1437ھ

سرپرست اعلیٰ: حافظ عبدالوحید سوہدروی

ایگزیکٹو ایڈیٹر: مولانا عبدالمالک مجاہد

چیف ایڈیٹر: ثمر الحمید فیصل علوی

ایڈیٹر: محمد نعمان فاروقی

سب ایڈیٹر: قاری ذکاء اللہ سلیم

مجلس ادارت

حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا ارشاد الحق اثری، شیخ شبیر عثمانی، حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالرحمٰن لدھیانوی، حافظ شبیر صدیق، حافظ عبدالستار حماد، مولانا ارشد کمال، حافظ عزیز الرحمٰن اعوان، پروفیسر نجیب کیلانی، حافظ فاروق عبداللہ، خلیل الرحمٰن بلوچ

مجلس نظامت

نجم المجید، عکاشہ مجاہد، صاحبزادہ عبدالحفیظ مظہر، مولانا عبدالحفیظ فاروقی، حبیب کبریا، حافظ محمد ارشد

آرٹ سیکشن

حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)

قانونی مشیر: ملک نور محمد سرفراز اعوان (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

■ ضیائے حدیث جاری کرانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

■ منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے

دفتر ماہنامہ ضیائے حدیث 25 ہادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار، لاہور

042 3731 0022 || ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ نفس مضمون کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

سرکولیشن منیجر: حافظ محمد حق نواز +92 300,332 88 66 057

مارکیٹنگ: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823

50 روپے قیمت فی شمارہ

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: آن لائن کرانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith 0345-4495886-0

A/C No: 0038805201002063

M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch Lahore. Br Code: 1317

محمد حق نواز +92 300 88 66 057

شناختی نمبر 38404-0967643-1

سالانہ زرتعاون

عام ڈاک 500 روپے | رجسٹری ڈاک 900 روپے

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون

سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 50 یورو

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

www.facebook.com/Zia.e.hadith

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیاد: مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ 1959ء — بانی و مدیر ہفت روزہ ''مسلمان'' وطبی میگزین

بانی: مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی 2010ء

مندرجات

اداریہ	اسلامی جمہوریہ پاکستان..... یا لبرل پاکستان	اڈیٹر	5
اداریہ	بلدیاتی الیکشن کے کچھ دوسرے نتائج.....؟	اڈیٹر	6
تجلیات قرآن	مسلم حکمرانوں کی ذمہ داریاں	محمد نعمان فاروقی	7
انوار حدیث	علامات خوارج	حافظ شبیر صدیق	13
عقیدہ و منہج	قرآن پاک میں مذکور اسمائے حسنیٰ	الشیخ عبدالصمد رفیقی	18
فضائل اعمال	رات اور دن میں سو، سو مرتبہ	حافظ ذیشان ایوب شاکر	22
افتاء و ارشاد	آپ کے سوال اور ان کے جواب	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	23
احکام ومسائل	کیا عمامے اور جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے	ابومعاویہ حیدری ہزاروی	25
احکام ومسائل	عصر کے بعد دو رکعات	محمد شعیب بن محمد حسین	27
معاشیات	اسلامی بینکاری کا نفاذ	پیشکش: حافظ عثمان یوسف	31
تاریخ	دشمن کو پہچانیے	ڈاکٹر ممتاز عمر	33
انٹرویو	کلاس فیلو دوست کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام	ابوحمنہ ذکاء اللہ سلیم	39
اخلاقیات	پاکیزہ زندگی	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	44
عالمی منظر نامہ	روس کی شام پر چڑھائی	ابوضرار ملک	46
مکتوب الریاض	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ..... مرادِ مصطفیٰ ﷺ	عبدالمالک مجاہد	48
تعلیم و تعلم	علوم نبوت کے حاملین کے لیے نصیحتیں	الشیخ عمر فاروق سعیدی	52
سیرت النبی	رہبر کامل ﷺ	عبدالرشید عراقی	56
گوشہ خواتین	نسل نو کی تربیت میں ماؤں کا کردار	اخت عمران ناظر	60
گوشہ خواتین	اسلام کے خواتین پر احسانات	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	64
طب و سائنس	تل	ڈاکٹر طارق ریاض	69
عالم اسلام	گیمبیا	محسن فارانی	72

اداریہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان.....یا لبرل پاکستان؟

ایک مچھلی فروش نے ادیبوں اور شاعروں کے کسی محلے میں دکان کھولی اور بورڈ لگا دیا: ''یہاں تازہ مچھلی دستیاب ہے'' ایک ادیب صاحب کا وہاں سے گزر ہوا انھوں نے بورڈ پڑھنے کے بعد مچھلی فروش سے کہا: میاں اتنا لمبا جملہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی، اتنا ہی کافی تھا کہ: ''تازہ مچھلی دستیاب ہے'' مچھلی والے نے لفظ ''یہاں'' مٹا دیا۔ اس کے بعد ایک اور صاحب آئے۔ انھوں نے اس بورڈ پر نظر ڈالنے کے بعد فرمایا: بھئی مچھلی کے ساتھ تازہ لکھنے کی کیا حاجت ہے ظاہر ہے مچھلی تو تازہ ہی فروخت کی جاتی ہے۔ مچھلی فروش نے لفظ ''تازہ'' محو کر دیا۔ اب تحریر کچھ اس طرح نظر آ رہی تھی: ''مچھلی دستیاب ہے'' پھر ایک اور صاحب آئے انھوں نے عینک سیدھی کرتے ہوئے بورڈ کو پڑھا اور تبصرہ فرمایا: ''مچھلی دستیاب ہے'' لکھنے کی کیا حاجت پیش آ گئی بھائی؟ مچھلی تو دستیاب ہی ہوتی ہے جبھی تو بکتی ہے، بس اتنا ہی کافی تھا: ''مچھلی'' اس کے بعد ایک بہت بڑے ادیب بھاری مینڈیٹ کے ساتھ آئے انھوں نے تبصرہ فرمایا۔ بھئی یہ بورڈ لگانے کی تکلیف ہی کیوں کی، مچھلی تو چیز ہی ایسی ہے کہ اس کی بو دور سے محسوس ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مچھلی فروش نے بورڈ ہٹا کر سائیڈ پر رکھ لیا۔

اب ذرا ہنسی روکیں اور آگے پڑھیں۔ ہم نے جب یہ ملک پاکستان حاصل کیا تو اس کے بورڈ پر بڑا نمایاں لکھا تھا: ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ﷺ۔ پھر کچھ مفکرین پیدا ہوئے، انھوں نے رائے دی اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب یہاں مسلمان رہتے ہیں، شلوار قمیض اور پگڑی پہنتے ہیں، لوگ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں تو پھر کیا حاجت ہے دنیا سے ٹکر لینے کی۔ لہٰذا ہمارے مچھلی فروش نے (اب آپ ضمیر فروش بھی پڑھ سکتے ہیں) وہ کلمہ ہی غائب کر کے رکھ دیا ہے اور ہم اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے ہیں کہیں نظر نہیں آ رہا۔ نہ اقتدار کے ایوانوں میں، نہ معیشت کے بازاروں میں، نہ علمی درسگاہوں میں، نہ گلیوں اور محلوں میں۔

یہ بھی عجیب معاملہ ہے کہ جب عوام سے ووٹ لینے ہوتے ہیں اس وقت کوئی نہیں کہتا کہ ہم روشن خیال پاکستان بنائیں گے یا ہم لبرل (آزاد خیال) پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔ مگر اقتدار میں آ جانے کے بعد جب امریکہ کے دورے ہونے لگتے ہیں تو ساتھ ہی ''روشن خیالی'' اور ''آزاد خیالی'' کے امپورٹڈ نعرے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔

مسلم لیگ پاکستان کی خالق جماعت ہے اور پاکستان کا وجود ایک نظریے پر قائم ہے۔ وہ تصور اور نظریہ جسے علامہ اقبال نے مسلم قوم کے سامنے رکھا اور اللہ کے حکم سے قائداعظم نے اس خواب کی تعبیر کی اور ہم ایک مسلم ریاست کے باسی بن کر رہنے لگے۔ مگر گاہے گاہے ایسے نعرے سننے کو ملتے رہتے ہیں۔ اگر آزاد خیال جماعت یا کوئی سیکولر تنظیم ایسی بات کرے تو اس سے گلہ نہیں مگر ایک ایسی جماعت جس کا نام ہی ''مسلم لیگ'' ہے اور جس کا سربراہ وزیراعظم ہے اس کے منہ پر یہ بات بالکل نہیں سجتی کہ وہ لبرل ازم کی تائید میں بات کرے۔

وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے نظریات سے جڑی رہتی ہیں۔ جن قوموں نے نظریات مٹا دیے وہ قومیں خود بھی مٹ گئیں۔ اور کچھ نہیں تو اگر ہم مصور پاکستان علامہ اقبال کی اس بارے میں تعلیمات پڑھ لیں تو ہمارے لیے کافی ہیں۔ اقبال نے تو جدید افکار کے حامل مسلمانوں سے بڑا واضح سوال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی! کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

کیا عوام اور کیا حکمران تہذیب جدید اور مغربی فلسفے کے حامل بن کر بہت سے لوگوں نے اپنی اقدار و روایات کھو دیں مگر دیکھا یہ گیا ہے وہ خود بھی تاریخ کے اوراق میں کہیں کھو گئے۔ آگے جا کر ان کے ساتھ کیا بنا یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ دولت وقوت سے اکثر لوگوں کے رہن سہن اور فکر و تخیل میں فرق آجاتا ہے۔ ''قوت'' کے متعلق اقبال کہتے ہیں۔

لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

جو شخص جتنا بڑا اور ذمہ دار ہو اسے اسی قدر ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیے اور ایک اسلامی ملک کے وزیر اعظم کو تو بہت خیال رکھنا چاہیے۔ دیوالی کی تقریب میں شرکت اور ہولی میں بلانے کی خواہش کا اظہار۔ ہمارے وزیر اعظم کے تیور کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں!!! ہم یہ تو نہیں کہتے کہ دیوالی یا ہولی ہندو نہ منائیں مگر مسلمان کی حیثیت سے اغیار کے رسوم و رواج کو اتنی اعلیٰ سطح سے سپورٹ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

بلدیاتی الیکشن کے کچھ دوسرے نتائج.....؟

بلدیاتی الیکشن کا ایک نتیجہ تو وہ تھا جو قوم کو دکھایا، سنایا اور پڑھایا گیا۔ مگر الیکشن کے کچھ دوسرے نتائج بھی ہوتے ہیں جن کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں جاتی۔ آیئے الیکشن کے ان نتائج پر غور کرتے ہیں:

پہلا نتیجہ: الیکشن میں جیت اور عہدے کی چاہت میں ہم اپنے قریبی رشتہ داروں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہ دوری عداوت میں بدل جاتی ہے۔ بعض اوقات بیٹا باپ کا اور بھائی بھائی کا دشمن اور میاں بیوی ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جاتے ہیں۔ سیاست چیز ہی ایسی ہے۔

دوسرا نتیجہ: تمام امیدوار ایک دم خدمت کا جذبہ اور اس پر چڑھے خوشنما الفاظ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور پھر جیت کی خوشی میں یا ہارنے کی تھکاوٹ میں چند ماہ انتظار کرتے ہیں۔ اور اتنی دیر میں الیکشن کمپین کے دوران رٹے ہوئے الفاظ بھی بھول جاتے ہیں۔ اِلا ماشاء اللہ۔

تیسرا نتیجہ: ہم میں سے ہارنے والے جیتنے والوں کی ٹانگیں کھینچتے ہیں۔ خود خدمت کرنا تو رہا ایک طرف ہمیں جیتنے والے ''خادم'' بھی نہیں بھاتے۔ اور ہم کئی سال تک محض اس لیے ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں تاکہ جیتنے والے اگلی دفعہ ناکام اور ہم کامیاب ہوں۔

چوتھا نتیجہ: ہم بے دریغ پیسہ لٹا سکتے ہیں مگر اللہ کے راستے میں نہیں بلکہ عہدے کی چاہت میں۔

پانچواں نتیجہ: ہم میں سے اکثر جیتنے والے اپنے وعدوں سے مکر جاتے ہیں۔ اور اکثر کو کیے وعدے یاد بھی نہیں رہتے۔

چھٹا نتیجہ: ہم سیاست میں بہت زیادہ وقت اور وسائل خرچ کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری چاہت ہو تو ہم ہر کسی کو وقت دے سکتے ہیں۔ الیکشن کے دنوں میں امیدواروں کے پاس وقت کہاں سے آجاتا ہے؟

ساتواں نتیجہ: ہم نے صرف جیتنا ہی سیکھا ہے اس کے لیے ہم ہر جائز ناجائز کام کر لیتے ہیں۔ ہم نے ہارنا یا ہار کو قبول کرنا نہیں سیکھا۔ حالانکہ ہار بھی جیت کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے۔

آٹھواں نتیجہ: ہمیں اپنے مطلب کی آیات بڑی یاد آتی ہیں۔ جیسے نصر من اللہ و فتح قریب اور ''ایاک نعبد وایاک نستعین''

نواں نتیجہ: ہم دینی لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ان کی مساجد میں نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم چاہیں تو اللہ کے لیے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

دسواں نتیجہ: ہم صرف مذہبی سطح پر تفرقہ بازی کو ناجائز سمجھتے ہیں جبکہ سیاسی تفرقہ بازی بھی نفرت اور خونریزی کی بھیانک صورت حال میں بدلتی جا رہی ہے۔

یہ کچھ نتائج تھے.....اس پر قیاس کر کے اور بھی نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ یہ نتائج اگرچہ آپ کو بروقت نہیں ملے لیکن ان سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہار جیت کے اصل دن اللہ تعالیٰ ہمیں رسوائیوں سے بچائے، اس کے لیے بھی کبھی ہم نے سوچا یا عوام کی خدمت اس دن سرخرو ہونے کے لیے کی؟؟



قرآن مجید کی روشنی میں
مسلم حکمرانوں کی ذمہ داریاں اور خوبیاں

محمد نعمان فاروقی

قرآن مجید واقعات بیان کرتے کرتے بہت سی باتیں اور اصول سمجھا دیتا ہے۔ حکمرانوں کی ذمہ داری کے موضوع پر بھی اس میں بہت سی راہ نمائیاں موجود ہیں۔ اچھے انداز سے انھیں حکمرانوں کے سامنے بطور نصیحت پیش کرنا چاہیے۔ کیونکہ دین حکمرانوں کے لیے بھی نصیحت کا حق دیتا ہے۔

قرآن مجید نے جہاں اچھے حکمرانوں اور بادشاہوں کی خصوصیات ضمناً ذکر کی ہیں تاکہ نیک حکمران انھیں اپنائیں، وہاں برے حکمرانوں اور فرمانرواؤں کا تذکرہ بھی کیا ہے تاکہ ان کی خامیوں سے مسلمان حکمران محفوظ رہیں۔

اچھے حکمرانوں کی خوبیاں

① علم کے شناور ہوں

علم ایک بنیادی خوبی ہے اور عمل سے پہلے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم درست ہوگا تو عمل بھی درست ہوگا۔ اس سے دین کے بنیادی علوم، ریاست کی ذمہ داریاں، رعایا کے حقوق، دشمنوں کی مکاریوں سے آشنائی جیسے علوم مراد ہوسکتے ہیں۔ حکمران کے لیے علم کی خوبی کو قرآن مجید نے سیدنا طالوت کے واقعے میں بیان فرمایا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسراءیل کو قتال کا حکم ہوا۔ بنی اسراءیل کے نبی نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔ وہ کہنے لگے: وہ ہم پر بادشاہ کیونکر بنے گا، حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہت کا حق رکھتے ہیں اور اس کے پاس مال کی فراوانی بھی نہیں۔ ان کے پیغمبر نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے انھیں تم پر منتخب فرمایا ہے اور انھیں علم اور جسم میں زیادہ وسعت دی ہے۔ (دیکھیے سورۃ البقرۃ 2، آیت: 247) گویا جس کو اللہ کی طرف سے بادشاہ مقرر کیا گیا اس کی خوبی یہ بھی تھی کہ اسے وافر علم نصیب ہوا تھا۔

سیدنا داود اور سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نمل میں ان کا قصہ بیان فرمایا ہے اور اس قصے کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا﴾ ”اور البتہ تحقیق ہم نے داود اور سلیمان علیہما السلام کو علم سے نوازا۔“ (النمل 15:27) اس سے ظاہر ہے کہ حکومت و قیادت کا بنیادی عنصر علم ہے۔ علم، وہ جس سے خالق کی معرفت و قرب حاصل ہو اور مخلوق کی خدمت کا جذبہ۔

② عمل کے جذبے سے سرشار ہوں

سیدنا طالوت، جنھیں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا، ان کے تذکرے میں یہ خوبی نمایاں بیان کی گئی ہے کہ وہ خود بھی بڑے اطاعت گزار تھے اور اپنے ماتحتوں کو بھی ایسا ہی دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ ایک دریا کے ذریعے تمھیں آزما رہا ہے، چنانچہ جس نے اس میں سے پانی پی لیا، اس کا میرے ساتھ تعلق نہیں

اور جس نے نہ لیا تو وہ میرا ہے۔'' (البقرۃ 249:2) غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے جملہ احکامات پر عمل کا جذبہ موجزن ہونا چاہیے۔ اپنے عوام سے تعلق کی بنیاد یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں تو میرے ہاں بھی ان کا خاص مقام ہے اور اگر اللہ کے باغی ہیں تو پھر میرا بھی ان سے کوئی تعلق نہیں۔ دراصل یہ ایک نقطہ ہی جذبۂ اطاعت کی غمازی کرتا ہے۔ وہ ملک کوئی دیوانوں کا دیس نہ ہو کہ جہاں اقتدار حاصل کرنے کی دوڑ لگی ہو اور محض پارٹی بدلنے سے اچھے یا برے کے سرٹیفکیٹ ملنے لگیں اور پارٹی سے محض اس لیے نکالا جائے کہ پارٹی کے نظم کی خلاف ورزی ہوئی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خلاف ورزی پر کوئی سزا نہ ہو۔

پیارے نبی ﷺ نے بھی کئی ایک جرائم پر یہ وعید سنائی ہے کہ «.....فَلَيْسَ مِنَّا» ''فلاں مجرم کا ہم سے تعلق نہیں۔'' لیکن عوام اور حکمران دونوں ہی ایسی وعیدوں کا بہت کم خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ حکمران کے بارے میں کس قدر واضح طور پر فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''وہ لوگ جنھیں ہم زمین میں اقتدار دیتے ہیں وہ نماز (کا نظام) قائم کرتے ہیں، زکات دیتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' (الحج 41:22) اس آیت مبارکہ میں دراصل عبادت کے چار پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے: ① نماز: تمام بدنی عبادات سے اہم ترین نماز ہی ہے۔ ② زکات: تمام مالی عبادات میں اہم ترین زکات ہے۔ ③ ہر قسم کی نیکی کو عام کرنے کے لیے امر بالمعروف اور ④ ہر قسم کی برائی کو مٹانے کے لیے نہی عن المنکر ہے۔ گویا جو حکمران اللہ تعالیٰ کا تائید یافتہ ہے وہ ان ⑤ بنیادی نظاموں کو قائم کرتا ہے۔ لیکن آج اسلامی ممالک الا ماشاء اللہ آہستہ آہستہ دین کا نام لینا ہی چھوڑ گئے ہیں حتی کہ بنی اسراءیل کی طرح ماری ماری پھرنے والی دینی جماعتیں بھی عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے دین الٰہی کی بات کرنا چھوڑتی جارہی ہیں۔ کیونکہ ہمارے اس نظام میں اہم چیز ''ووٹ'' ہے اور اس کے حصول کا ضابطہ یہ ہے کہ عوامی امنگوں کے مطابق ہی یہ مل سکتا ہے۔

③ قول وفعل اور علم وعمل میں تضاد نہ ہو

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسے انبیاء ورسل عظام علیہم السلام کا تذکرہ بھی فرمایا ہے جنھیں اس نے بادشاہت یا اقتدار سے بھی نوازا جیسے سردار انبیاء محمد ﷺ، سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا داود علیہ السلام، سیدنا سلیمان علیہ السلام، سیدنا طالوت اور اس کے علاوہ ذوالقرنین.....ان کے تفصیلی اور اجمالی واقعات کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے مگر قول و فعل میں تضاد کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ انبیائے کرام علیہم السلام سے تو اس کا تصور بھی محال ہے مگر ذوالقرنین کا ذکر بھی تو کیا گیا ہے۔ جو کہہ رہے ہیں وہی کررہے ہیں۔ دھوکا دہی نہیں۔ نہ بلند بانگ دعوے ہیں۔ یاجوج ماجوج کے مقابلے میں آہنی دیوار تعمیر کرکے اس دور کے اتنے بڑے پراجیکٹ کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ ''یہ میرے رب کی رحمت ہے تو جب میرے رب کا وعدہ آئے گا وہ اسے ریزہ ریزہ کردے گا۔'' (الکھف 98:18)

④ کرپشن کے شائبے سے بھی بچیں

یہی ذوالقرنین جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ایک قوم نے ان سے یاجوج ماجوج کے فساد کی شکایت کی اور ساتھ ہی کہنے لگے: ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ ''کیا ہم آپ کے لیے کوئی خراج اکٹھا کریں اس لیے کہ آپ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان اوٹ بنادیں؟'' وہ فرمانے لگے: ﴿مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ ''میرے رب نے جو مجھے اقتدار دیا ہے وہ (تمھارے خراج سے) بہتر ہے، لہٰذا تم (افرادی اور وسائل کی) قوت سے میری مدد کرو تاکہ میں تمھارے اور ان (یاجوج ماجوج) کے درمیان بنادوں۔ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے دو۔'' (الکھف 96,95:18) وہ چاہتے تو خراج وصول کرسکتے تھے مگر وہ اسی پر راضی تھے جو اللہ نے انھیں عطا فرمادیا تھا۔ اب غلط سلط اور ناجائز کی انھیں کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔

اور ویسے بھی یہ کتنی اچھی بات ہے کہ مالی

معاملات سے علیحدہ رہا جائے، تاکہ کرپشن کا کوئی سوال پیدا نہ ہو۔ آخر ذوالقرنین خود بھی تو وسیع پیمانے پر لوہے کی خریداری کر سکتے تھے مگر انھوں نے یہ ذمہ داری انھیں دی اور اسی قوم سے کہا: ''مجھے لوہے کی چادریں لادو۔'' بعض حکمران انھی غیر محتاط رویوں سے بدنام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا انھیں ان قرآنی واقعات سے سبق لینا چاہیے۔ خصوصاً ''لوہے'' کے معاملے میں۔

⑤ عوام کے بجائے اللہ کی خوشنودی

قرآن مجید کے حکومت و قیادت سے متعلقہ واقعات واضح کرتے ہیں کہ ان واقعات میں عوام کے بجائے اللہ کی خوشنودی کو سامنے رکھا گیا۔ حکم جاری کرنے میں بھی اور فیصلہ کرنے میں بھی۔ یہ تو ثابت ہے کہ نیک حکمرانوں نے اللہ کے لیے لوگوں سے ٹکر لی ہو مگر ان کے ہاں لوگوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لینے کا تصور تک نہ تھا۔ کیونکہ وہ لوگوں کی حکومت، لوگوں پر لوگوں کے ذریعے کے قائل و فاعل نہ تھے۔ وہ تو قانون الٰہی کو بندوں پر نافذ کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ انھیں یقین تھا کہ انھیں اقتدار اللہ کی طرف سے نصیب ہوا ہے اور یہ بھاری ذمہ داری اسی کے اصولوں کی روشنی میں نبھانی ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق

قرآن مجید میں بیان کردہ اچھے حکمرانوں کے تذکرے میں ایک اہم بات جو نظر آتی ہے وہ اللہ سے تعلق ہے۔ عام آدمی کی نسبت حکمران کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بہت زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ اس پر بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ وہ اللہ کی مدد کے بغیر کیسے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ خلفائے راشدین میں یہ تعلق اور اس کا لحاظ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ قرآن مجید اچھے حکمرانوں کے تذکرے میں اپنے مخصوص انداز سے اس عنوان پر بات کرتا ہے۔ چنانچہ سیدنا داود علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ایک ہی الفاظ بیان فرمائے: ﴿وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ''اور ان دونوں نے کہا: تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی۔'' (النمل 15:27) سیدنا سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی وادی کی طرف گئے تو ایک چیونٹی کہنے لگی: چیونٹیو! اپنے ٹھکانوں میں چلی جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمھیں روند نہ ڈالے اور انھیں پتہ بھی نہ ہو۔ تو سیدنا سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات پر مسکراتے مسکراتے ہنس دیے اور (ساتھ ہی) کہنے لگے: میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں اس نعمت پر تیرا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہے اور اس کی بھی توفیق دے کہ میں ایسے اچھے کام کروں جنھیں تو پسند کرتا ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لے۔'' (دیکھیے النمل 19,18:27)

ذوالقرنین کے واقعے میں مذکور ہے، جیسا کہ گزرا کہ انھوں نے آہنی دیوار بنا کر یہی بات کہی: ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ ''یہ میرے رب کی رحمت ہے۔'' (الکہف 98:18) سیدنا یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں: ﴿هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ﴾ ''یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا، تحقیق میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا ہے اور تحقیق مجھ پر بہت احسان کیا ہے جب اس نے مجھے جیل سے رہائی دلائی ہے۔'' (یوسف 100:12) اور یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: ﴿رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ﴾ ''اے میرے رب تحقیق تو نے مجھے بادشاہت دی ہے۔'' (یوسف 101:12) الغرض! اللہ تعالیٰ ہی کو اقتدار دینے والا اور صلاحیتیں بخشنے والا سمجھا جائے اور اس کے احسان کو تسلیم کر کے اس کا اظہار کیا جائے۔ ریاست پر مشکل آئے تو اسی کے سامنے گڑگڑایا جائے وہ خود ہی لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے والا ہے۔

⑦ رعایا کی خبر گیری کرتے ہوں

مسلم حکمران کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ رعایا کی خبر گیری کرے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو جنوں، انسانوں اور پرندوں پر حکومت ملی تھی۔ ان کے لیے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ درجہ بندی کر دی جاتی تھی۔ ایک دن ایسے ہوا تو انھوں نے ہدہد کو مفقود پایا۔ قرآن مجید نے پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے: ﴿وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ﴾ ''اور سیدنا سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا پھر فرمانے لگے: مجھے کیا ہے کہ ہدہد

کو نہیں دیکھ پا رہا یا پھر وہ یہاں موجود ہی نہیں؟'' (النمل 20:27) جن جن پر حکومت ہے ان کی خبر گیری رکھنی چاہیے۔ تاجدار مدینہ ﷺ بھی اپنے رفقائے گرامی کی خبر گیری رکھا کرتے تھے کہ وہ کیوں نظر نہیں آ رہے، چنانچہ ایک جنگ کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا تو فرمانے لگے: ''کیا تم کسی شخص کو مفقود پا رہے ہو؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: فلاں، فلاں اور فلاں۔ آپ علیہ السلام نے تین مرتبہ سوال کیا اور فرمایا: ''لیکن میں تو جلیبیب رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھ پا رہا، لہٰذا تم انھیں تلاش کرو۔'' انھیں تلاش کیا گیا تو وہ شہداء میں نظر آئے۔'' (صحیح مسلم: 2472)

اسی طرح سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنی بلند آواز کی وجہ سے بارگاہ نبوی سے کنارہ کش رہنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کے متعلق بھی پوچھا۔ (صحیح مسلم:119) ہمیں پتہ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کا باسی کفار کے چنگل میں ہے تو ہم اس قدر بے بس ہیں کہ اس موضوع پر بات ہی نہیں کر سکتے ہیں جیسے کہ پاکستان کی بیٹی عافیہ صدیقی ہے۔

دراصل اس سے رعایا کے دلوں میں حکمران کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کی خبر گیری سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس خوبی میں بڑا نمایاں مقام رکھتے تھے حتیٰ کہ راتوں کو جاگ کر رعایا کی خبر گیری کرتے۔ میڈیا کے اس دور میں بڑی سہولت ہے۔ ضرورت مندوں اور ناداروں کی ضرورتیں بہ آسانی پوری کی جاسکتی ہیں۔ یہ سارے امور جذبہ خیر خواہی اور ہمدردی ہی سے انجام پا سکتے ہیں۔

⑧ اپنوں کے لیے نرم ہوں

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ ﴿مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ بھی اس سے محبت کرتے ہوں گے مومنوں کے لیے نرم ہوں گے۔'' (المآئدة 54:5) یہ نرمی جہاں عوام کے لیے عوام سے مطلوب ہے وہاں حکمرانوں سے بھی مطلوب ہے۔ پالیسی بناتے وقت اور اقدامات کرتے وقت اسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی حکمران نبی کریم ﷺ کی حسب ذیل دعا کا حقدار بن جاتا ہے تو یہ اس کی خوش نصیبی ہے۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی ہے: «اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ» ''اے اللہ جو کوئی میری امت کے کسی معاملے کا نگران بنے تو ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی کر اور جو نرمی کرے تو بھی اس پر نرمی کر۔'' (صحیح مسلم: 1828)

⑨ بیگانوں کے لیے سخت

مذکورہ آیت میں اللہ کی پسندیدہ قوم کی دوسری خوبی یہ بیان ہوئی ہے کہ ﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''کافروں کے لیے سخت۔'' (المآئدة 54:5) غیر اقوام سے رویہ سخت ہونا چاہیے۔ عوام میں بھی یہ شعور ہو اور حکمران بھی اس کا خیال رکھیں۔ اگرچہ انصاف کا دامن کسی صورت چھوٹنے نہ پائے۔ جیسے ہمارے موجودہ حکمران نے کشمیر کی بابت اپنے موقف کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔ مگر یہی کافی نہیں۔ کیونکہ اسی پالیسی ساز آیت کی تیسری شق جہاد ہے۔

⑩ جہاد کرنے والے ہوں

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکور میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔'' (المآئدة 54:5) مسلم حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کا بھرپور جذبہ رکھتا ہو اور خصوصاً اسلامی ریاست سے متصل دشمن ریاست کے متعلق تو واضح ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اے اہل ایمان! کفار کے ان لوگوں سے قتال کرو جو تمھارے قریب ہیں اور وہ تمھارے اندر شدت اور سختی پائیں اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔'' (التوبة 123:9) اپنی سرحد کے قریب کی کافر ریاست سے سختی کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے کفار ممالک بھی سبق لیں گے اور کوئی بھی اقدام کرنے سے پہلے کئی بار سوچیں گے۔ ہماری فوج کا ماٹو بھی ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ مذکورہ آیت میں انھی تین چیزوں کے متعلق بتایا گیا ہے۔

⑪ پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں

اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ قوم کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے: ﴿وَلَا يَخَافُوْنَ

﴿لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ ''انھیں کسی ملامت گر کی ملامت کا کوئی خوف نہ ہوگا۔'' (المآئدۃ 54:5) دراصل یہ اس فکری جنگ کی طرف اشارہ ہے جو عہد قدیم سے عہد جدید تک اہل باطل کی طرف سے مختلف عنوانات اور اسالیب میں اہل حق کے خلاف لڑی جارہی ہے۔ یہ فکری جنگ عام جنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔ اُس میں لہو بہتا ہے اِس میں ایمان جاتا ہے، اُس میں نقشے بدلتے ہیں اور اِس میں نظریات۔ کچھ دیر پہلے اہل پاکستان روشن خیالی کے بازگشت سن رہے تھے اور اب لبرل ازم کی صدا آنے لگی ہے۔ لیکن اہل ایمان اور ان کے حکمران ان سے متاثر نہیں ہوتے۔

⑫ شرک اور بداعتقادی سے مبرا ہوں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس قدر نیک حکمرانوں کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ سب عقیدے کی پختگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ مگر آج کل کے حکمران اسلامی عقیدے ونظریے کو کسی خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کا ایجنڈا یا تو اپنی دنیا بنانا ہے یا پھر لوگوں کی خوشنودی اور اس کے لیے خدمت۔ غالباً چند ایک اسلامی ریاستیں ایسی ہوں گی جو غیر اسلامی عقائد ونظریات کا نوٹس لیتی ہوں گی جبکہ اکثر ریاستیں یہ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ دراصل سیکولرازم اور لبرل ازم کا سیلاب امڈ آیا ہے اس میں بہت سے بھلے مانس حکمران بھی بہہ رہے ہیں اور اپنے ممالک کو ''لبرل'' قرار دینے لگے ہیں۔ آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر اور حکمران سیدنا سلیمان علیہ السلام کا واقعہ پڑھتے ہیں۔ ایک دن انھوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو ہدہد نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہدہد آیا تو اس نے کہا: وہ معلومات لایا ہوں جو آپ کے احاطہ علم میں نہیں تھیں۔ میں سبا کے علاقے سے پکی خبر لایا ہوں۔ وہ یہ کہ ان کی حکمران ایک عورت ہے اور اس کے پاس ہر قسم کے وسائل ہیں اور ایک بہت بڑا تخت بھی ہے۔ میں نے اس حکمران خاتون اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے پایا ہے۔ (دیکھیے النمل 20:27-24) اس دوران سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اس خبر کی تصدیق بھی کی اور ملکہ سبا کو خط بھی لکھا اور بالآخر یہ فیصلہ کیا: ﴿فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾ ''اب ہر صورت ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلے کی ان میں کوئی طاقت نہیں ہوگی اور ہم انھیں وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ رسوا ہوں گے۔'' (النمل 37:27)

یہ ہے مسلم حکمران کی ذمہ داری!! جہاں تک بس چلے ایسے غلط عقائد کی بیخ کنی کی جائے۔ نبی کریم ﷺ کو جب مکہ مکرمہ پر اقتدار نصیب ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے فوراً بعد ان بتوں کے خلاف مہم جوئی کی جن کی پرستش ہوتی تھی۔ دراصل عقائد کی اصلاح کے ساتھ ہی ملک کی ترقی واستحکام کا راز وابستہ ہے۔ قرآن مجید نے مختلف واقعات میں اشارۃً یہ بات سمجھائی ہے۔ جو حکمران اپنے ماتحت کسی علاقے میں شرک برداشت نہیں کرسکتا وہ خود کیسے بدعقیدگی کا شکار ہوسکتا ہے یا اپنی ریاست میں ایسا کیسے برداشت کرسکتا ہے۔

⑬ تحقیق وتفتیش کا دروازہ کھلا رکھیں

مسلم حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہمیشہ تحقیق کا دروازہ کھلا رکھے، خواہ تحقیق اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو غیر حاضر پایا تو فرمانے لگے: ''میں اسے سخت سزا دوں گا یا پھر اسے ذبح ہی کردوں گا یا پھر وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے گا۔'' (النمل 21:27) پھر جب ہدہد نے خبر لاکر دی، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا، تو سیدنا سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ﴿سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ ''ہم جائزہ لیں گے کہ تم نے سچ کہا یا تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو۔'' (النمل 27:27) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تحقیق سے بالکل نہیں گھبراتے تھے اور خود احتسابی کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر ہونے والے کسی اعتراض کا محققانہ جواب دیتے تھے۔ اس سے الزامات بھی راہ نہیں پکڑتے اور کسی کو ناجائز سزا بھی نہیں ملتی۔

⑭ اللہ تعالیٰ کے شکر کو اوڑھنا بچھونا بنائیں

سیدنا داود وسلیمان علیہما السلام ہمیشہ شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے کہا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت دی۔'' (النمل 15:27) پھر جب چیونٹی کی بات سن کر سمجھ گئے تو بھی یہی فرمایا: ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ.....﴾ ''میرے



رب مجھے توفیق دے کہ میں اس نعمت پر شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر کی ہے۔'' (النمل 19:27) پھر جب سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکہ سبا کا تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے آ گیا تو پھر بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار فرمایا: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ ''یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں کہ ناشکری۔'' (النمل 40:27) قدم قدم پر شکر اچھے حکمرانوں کا شعار ہے۔

⑮ مجرموں کی پشت پناہی کرنے والا نہ ہو

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے خطاءً ایک ناحق خون ہوگیا تو انھوں نے دعا کی: ﴿رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي﴾ ''میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، چنانچہ مجھے معاف فرمادے۔'' (القصص 16:28) اور کہنے لگے: ﴿فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بن سکتا۔'' (القصص 17:28) مجرموں کی پشت پناہی اگر حکمران ہی شروع کردیں تو پھر حالات کیسے سدھر سکتے ہیں۔ لہٰذا مجرم خواہ اپنی پارٹی ہی کا کیوں نہ ہو کبھی اس کی پشت پناہی کے بجائے اسے کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے۔

⑯ عدل قائم کرنے والے ہوں

مسلم ریاست میں عدل کا قیام اتنا ہی ضروری ہے جیسے زندگی کے لیے پانی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کو فرمایا: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ ''اے داود! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا آپ لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کریں۔'' (ص 26:38) ایک حکمران جب عدل قائم کرے گا تو اس کے اثرات نچلی سطح تک جائیں گے۔

⑰ خواہشات کے اسیر نہ ہوں

خواہشات تو عام آدمی کو بھی بے چین کردیتی ہیں۔ حکمرانوں اور صاحب اختیار لوگوں کو یہ کیسے چین لینے دیتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا داود علیہ السلام سے فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور خواہشات کے پیچھے نہ لگنا ورنہ آپ اللہ کے راستے سے ہٹ جائیں گے۔'' (ص 26:38)

قرآن مجید کا مطالعہ اس پہلو سے کیا جائے تو یقیناً اور بھی بہت سی راہ نمائیاں میسر ہوسکتی ہیں۔ جنھیں بطور نصیحت ارباب اختیار کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے۔

برے اور قابل عبرت حکمرانوں کی خامیاں

قرآن مجید نے جہاں اچھے حکمرانوں کے اوصاف بیان کیے ہیں وہاں برے حکمرانوں کی خامیاں بھی بیان کی ہیں۔ قرآن مجید میں بیان کردہ نااہل اور برے اہل اقتدار میں سے نمرود، فرعون، ہامان، قارون اور جالوت ہیں۔ یا پھر بیت المقدس پر قابض عمالقہ کا اشارتاً تذکرہ ہے۔

* ان میں ایک بڑی خامی تو یہ تھی کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے باغی اور نافرمان تھے۔ انھیں اقتدار ملا تو اللہ کی طرف سے تھا مگر اس میں محض اس کا ارادہ تھا خوشنودی شامل نہیں تھی۔ نمرود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ﴿اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾ ''کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دی تھی۔'' (البقرۃ 258:2) امت مسلمہ کے تمام حکمرانوں کو اللہ کی بغاوت سے رک جانا چاہیے۔
* ان میں سے ہر کوئی اپنے اپنے وقت کے پیغمبر اور اہل حق سے برسرپیکار رہا۔ اور ان کے خلاف سازشوں کے جال ہی بنتے رہے اور تقریباً تمام ہی نشان عبرت بنے۔ حتیٰ کہ آج انھی کے نقش قدم پر چلنے والے کافر حکمران بھی اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنے کے روادار نہیں ہوتے، لہٰذا مسلم حکمرانوں کو اسلامی تعلیمات کے خلاف کسی بھی سازش کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔
* ان برے حکمرانوں کا ایک اور طرہ ''تکبر'' تھا۔ جو ہمیشہ انھیں قبول حق سے دور رکھتا تھا۔ تکبر ایک خطرناک بیماری ہے جس نے بہت سے حکمرانوں کو نیست و نابود کردیا۔ ان کے زمانے میں ان کا طوطی بولتا تھا اور آج ان کی ادنیٰ سی آہٹ بھی محسوس نہیں ہوتی۔
* ان میں سے جو حکمران تھے انھوں نے اپنی کابینہ بنا رکھی تھی جسے قرآن مجید ''مَلَأ'' کے نام سے یاد کرتا ہے اور ان کا کام ہر اچھے برے اقدام پر اپنے حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملانا ہوتا تھا۔ ان کی زندگی کا وجود بس یہی تھا کہ وہ حکمران کی خوشنودی حاصل کررہے ہیں۔ دراصل ایسے مشیر و وزیر ہی حکمرانوں کو لے ڈوبتے ہیں۔ یہ ایک باقاعدہ کردار ہے اسی لیے قرآنِ مجید نے برے حکمرانوں کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ بلاد اسلامیہ کے حکمرانوں کو سمجھ نصیب فرمائے۔



حافظ شبیر صدیق

علاماتِ خوارج... صحیح احادیث کی روشنی میں

...اور فیصلہ قارئین پر

رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے پہلے رونما ہونے والے بہت سارے امور کے بارے میں پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔ ایک پیش گوئی آپ ﷺ نے اپنی امت کا شیرازہ بکھرنے اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے کے بارے میں بھی فرمائی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''خبردار! تم سے پہلے کے اہل کتاب 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ ملت 73 فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ ان میں 72 جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔ اور جنت میں جانے والے وہ ہیں جو بٹے نہیں بلکہ جماعت کی صورت میں ہوں گے۔'' (سنن أبي داود: 4597) انھی فرقوں میں سے ایک فرقہ خوارج کا ہے۔ اس فرقے کی ابتدا رسول اللہ ﷺ کے دور ہی میں ہوچکی تھی جب آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم کررہے تھے تو ایک شخص نے کہا: مال کی تقسیم میں آپ نے عدل وانصاف سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس آدمی کی نسل سے ایسی قوم جنم لے گی جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' (صحيح البخاري: 4667) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں باقاعدہ طور پر یہ فرقہ منظر عام پر آیا۔ تب انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور باقاعدہ اپنے نظریات کا پرچار کرنا شروع کردیا۔ انھوں نے تکفیر کا راستہ اپنایا اور کبیرہ گناہ کا مرتکب شخص ان کے نزدیک ہمیشہ کا جہنمی ٹھہرا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا اور صرف قرآن مجید کو اپنے لیے حجت مانا۔



رسول اللہ ﷺ نے خوارج کا باقاعدہ نام لے کر فرمایا: «الخَوَارِجُ كِلَابُ النَّارِ» ''خارجی جہنم کے کتے ہیں۔''(سنن ابن ماجه:173)رسول اللہ ﷺ نے اس بدترین فرقے کا ذکر کرنے کے بعد اس گروہ میں شامل لوگوں کی بعض صفات کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ احادیث کے مختلف طرق میں ان کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ہم نے انھیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان صفات کو جمع کرنے میں ہم نے صرف صحیح احادیث کو بنیاد بنایا ہے۔ ہم صرف فرقہ خوارج کی صفات بیان کرنے پر اکتفا کریں گے، خوارج کون ہیں؟ اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ البتہ اس بارے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر کسی شخص میں کوئی ایک صفت پائی جائے تو اسے خارجی نہیں کہا جائے گا بلکہ تمام صفات نہ سہی بیشتر صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص میں کوئی ایک علامت پائی جاتی ہے تو اسے خارجی کہنا محل نظر ہے، لہٰذا اس حوالے سے احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔ احادیث کی روشنی میں علامات خوارج درج ذیل ہیں:

① خشوع وخضوع سے بھرپور نمازیں

نماز اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ خوارج کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ بظاہر ان کی نمازیں خشوع وخضوع سے لبریز ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ» ''تم اپنی نمازوں کو ان کی نماز کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔'' (صحیح البخاري:3610) یاد رہے! اہل ایمان کی نمازوں کی کیفیت بھی یہی بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''مومن فلاح پاگئے۔ وہی جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں۔'' (المومنون 2,1:23) گویا اگر کوئی شخص بڑے خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتا ہے اور اس کے علاوہ خوارج کی نشانیاں اس میں نہیں پائی جاتیں تو اسے صرف اس بنا پر خارجی نہیں کہا جائے گا۔

② تقویٰ سے بھرپور روزے

روزہ بھی اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ روزے کا مقصد تقویٰ بیان کیا گیا ہے۔ خوارج کے روزے بھی بظاہر تقویٰ سے بھرپور ہوں گے۔ روزے کے تمام لوازمات کا لحاظ رکھتے ہوئے بکثرت روزے رکھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ ..... صِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ» ''تم اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل کمتر محسوس کرو گے۔'' (صحیح البخاري: 3610) روزے کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رہے کہ اہل ایمان کو بھی روزے کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص روزہ رکھنے کے باوجود جھوٹ اور دھوکا فراڈ سے باز نہیں رہتا اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' (صحیح البخاري: 1903) لہٰذا اگر کوئی شخص ان تمام چیزوں کا خیال رکھتے ہوئے روزہ رکھتا ہے اور تقویٰ کے حصول کی کوشش کرتا ہے تو ہمیں خوامخواہ اس پر خارجی کا فتویٰ نہیں تھوپ دینا چاہیے۔ خارجی ہونے کے لیے صرف یہی ایک علامت کافی نہیں ہے بلکہ دوسری علامات کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

③ قرآن کی بکثرت تلاوت کرنے والے

قرآن مجید ایک ایسی مقدس کتاب ہے جس کے ایک ایک حرف پر نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کی بکثرت تلاوت کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ خوارج بھی قرآن کی تلاوت کریں گے مگر انھیں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ خوارج کی علامات بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ» ''وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔'' (صحیح البخاري:3610) یعنی وہ بظاہر قرآن کی تلاوت تو کریں گے لیکن اس کے حقیقی معنی ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے اور وہ قرآن ان کے دلوں پر کچھ اثر نہیں کرے گا۔ اسی علامت کا ذکر ایک روایت میں یوں ہوا ہے: «يَشْرَبُونَ الْقُرْآنَ كَشُرْبِهِمُ اللَّبَنَ» ''وہ قرآن ایسے ہی پی جائیں گے جیسے دودھ پیتے ہیں۔'' (صحیح الجامع للألبانی: 340/2) مراد یہ ہے کہ وہ قرآن ایسے ہی پڑھیں گے جیسے جلدی جلدی دودھ پیا جاتا ہے اور دودھ جلدی جلدی زبان سے گزر جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ قرآن پڑھیں گے جو بس ان کی زبانوں سے گزرے گا، باقی اس کا فائدہ انھیں کچھ نہ ہوگا۔ وہ اس کے معنی اور احکام پر تدبر نہیں کریں گے بلکہ صرف زبانی کلامی تلاوت کریں گے۔



④ مسلمانوں کو قتل کریں گے

شریعت نے ایک مسلمان کے خون کی بڑی حرمت بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر زمین و آسمان کے تمام لوگ صرف ایک مومن آدمی کے خونِ ناحق میں شریک ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان تمام کو جہنم میں ڈال دے گا۔'' (جامع الترمذي:1398) اس قدر سخت وعید کے باوجود خارجیوں کا یہ عمل ہوگا کہ وہ صرف مسلمانوں یا مسلمان فوج ہی کو اپنا نشانہ بنائیں گے۔ ان کی کلاشنکوفوں کا رخ دشمنانِ اسلام کے بجائے اہل اسلام کی طرف ہوگا۔ ان کی یہی علامت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَقْتُلُونَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ» ''وہ (خوارج) مسلمانوں کو قتل کریں گے۔'' (صحيح البخاري: 3344) اس کے مظاہر ہم دنیائے عالم میں دیکھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے والے عسکری گروپ کس طرح مسلمانوں بالخصوص مسلمان فوجیوں کو قتل کر رہے ہیں۔

⑤ غیر مسلموں کے محافظ

اسلام ایک غیر مسلم کا بھی ناحق خون بہانے سے منع کرتا ہے لیکن جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جنگ چھڑ چکی ہو وہاں ان کے جوڑ جوڑ پر مارنے کا حکم ہے۔ مگر خوارج کی یہ علامت ہے کہ ان کے تیروں اور نیزوں کا رخ ہمیشہ مسلمانوں کی طرف رہتا ہے اور غیر مسلموں کو وہ کچھ نہیں کہتے۔ یوں کہہ لیں کہ وہ غیر مسلموں کے لیے ایک محافظ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ «يَدَعُونَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ» ''وہ (خوارج) بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے (انھیں قتل نہیں کریں گے۔)'' (صحيح البخاري: 3344) حدیث کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خارجی گروہ یہود و نصاریٰ کے مفادات کی جنگ لڑتا ہے۔ مسلمان کہلوانے والے مختلف گروہوں کے یہود و ہنود اور دیگر غیر مسلم خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ روابط کا انکشاف گاہے گاہے ہوتا رہتا ہے۔

⑥ سر منڈوانا

خوارج کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ کثرت سے اپنے سر منڈوائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کی دیگر علامات بیان کیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی کوئی خاص نشانی دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ» ''ان کی علامت سر منڈانا ہوگی۔'' (صحيح البخاري: 7562) ہمارے ہاں ایک عجیب صورتحال دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر کوئی شخص سر منڈاتا ہے تو سوچے سمجھے بغیر اسے خارجی کہہ دیا جاتا ہے۔ شریعت کی نظر میں یہ طرز عمل درست نہیں ہے۔ جب تک کسی شخص کے بارے میں مکمل تحقیق نہ ہو جائے یا اس میں خارجیت کی اکثر علامات نہ پائی جائیں تو اسے خارجیوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس بارے میں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ سر منڈانا اگرچہ خارجیوں کی نشانی بیان کی گئی ہے لیکن یہ شرعاً کوئی ممنوع کام نہیں ہے۔ ضرورت کے پیش نظر سر منڈانے کی اجازت ہے جیسا کہ حج کے موقع پر سر منڈایا جاتا ہے۔ اسی طرح سر میں جوویں پڑ جانے پر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو سر منڈانے کا حکم دیا تھا۔ (سنن ابن ماجه:3080)

⑦ ''خوارج ہی ہدایت یافتہ ہیں'' کا دعویٰ

ابتدا سے اب تک اگر خوارج کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ خوارج اپنے علاوہ باقی سب لوگوں کو گمراہ تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تمام لوگ مختلف کفریہ اعمال کے مرتکب ہیں اور وہ سب جہنمی ہیں۔ خوارج ہی صحیح دین پر قائم ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ ان کی اپنی ایک سوچ اور فکر ہے لیکن احادیث کی روشنی میں حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ خوارج کی اصل حقیقت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ» ''وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 5058) مراد یہ کہ جیسے تیر تیزی کے ساتھ شکار میں سے نکل جاتا ہے اور اسے ذرا برابر خون نہیں لگتا ایسے ہی یہ بھی دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے کہ ان کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا، اگرچہ جتنی بھی عبادت کرتے رہیں۔

⑧ باتیں اچھی مگر کام برے

یہ ایک سوچ بن چکی ہے کہ جو شخص بڑی



اچھی اچھی باتیں کرے اسے بڑا نیک اور پارسا تصور کرلیا جاتا ہے۔ اس کے اعمال کیسے ہیں کیسے نہیں اس کی کوئی پروانہیں کرتا۔ اس کی زبان کی تیزی ہی اسے لوگوں کے ہاں متقی اور پرہیزگار بنادیتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ باطنی طور پر وہ شخص بدکردار ہوتا ہے۔ اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جائے کہ ہر شخص ہی ایسا ہوتا ہے بلکہ جس شخص کا باطن بھی ظاہر کی طرح اچھا ہو وہ بڑے مقام اور مرتبے کا حامل ہے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے خوارج کی ایک علامت یہ بھی بیان کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ» ''وہ (خوارج) باتیں بہت اچھی اچھی کریں گے مگر ان کے کام بہت برے ہوں گے۔'' (سنن أبي داود: 4765) مراد یہ کہ وہ باتیں تو دین اسلام کے غلبے کی کریں گے مگر ان کے اپنے افعال دینی تعلیمات کے مخالف ہوں گے۔

⑨لوگ کثرت عبادت پر تعجب کریں گے

خوارج کی کثرت عبادت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی کثرت عبادت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگ ان کی عبادت کو دیکھ کر بڑے تعجب کا اظہار کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: تم میں ایک قوم ایسی آئے گی جو عبادت میں بڑی کوشش کرنے والے ہوں گے۔ لوگ ان کی کثرت عبادت کو دیکھ کر بڑے تعجب کا اظہار کریں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے (بغیر کسی خون کے نشان کے) نکل جاتا ہے۔'' (مسند أحمد: 3/183)

⑩لوگوں میں مقبولیت پاجائیں گے

کسی شخص کی کثرت عبادت وریاضت کو دیکھ کر لوگوں کا اس کی طرف مائل ہوجانا ایک فطری چیز ہے۔ لوگ ایسے شخص کے بارے تعریفی کلمات کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ خوارج کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ ان کی کثرت عبادت، عبادت میں شوق اور خشوع و خضوع کو دیکھ کر لوگ ان کی تعریفیں کریں گے۔ اسی بنا پر وہ لوگوں میں اس قدر مقبولیت پاجائیں گے کہ انھیں دیکھتے ہی لوگ ان کی تعریفوں کے انبار لگادیں گے۔ ایسا ہی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص کے بارے میں بڑی خیر کی باتیں کیں اور اس کی تعریف کرنے لگے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی اس شخص کی حقیقت بتادی گئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو کون قتل کرکے آئے گا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں قتل کرتا ہوں۔ جب انھوں نے اس کا پیچھا کیا تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں اسے قتل کرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس آگئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ گئے تو وہ بھی اسے نماز کی حالت میں دیکھ کر واپس آگئے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ گئے تو وہ شخص جاچکا تھا۔ (مسند أبي يعلى: 4/150) بہرحال یہ بھی خوارج کی ایک علامت ہے کہ لوگ ان کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر ان کی بڑی تعریف کریں گے۔

⑪بے وقوف نوجوان

خارجی گروہ کی ایک علامت یہ ہے کہ ان میں اکثریت نوجوانوں کی ہوگی۔ وہ نوجوان بھی ایسے ہوں گے جو عقل سے عاری ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: «أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ» ''وہ نوعمر ہوں گے، بے وقوف ہوں گے۔'' (صحيح البخاري: 6930)

⑫بدترین اور بدکردار ہوں گے

خارجی اپنی عبادت و ریاضت کی بنا پر اپنے آپ کو بڑا نیک اور پارسا تصور کریں گے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ» ''وہ انسانوں میں اور مخلوقات میں سب سے برے ہوں گے۔'' (صحيح مسلم: 1067)

⑬اپنے آپ کو سب سے بڑا قاری اور عالم کہیں گے

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ خارجی قرآن تو پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ قرآن کے صحیح معنی ومفہوم کو نہیں لیں گے لیکن اس کے باوجود اپنے بارے میں قرآن کے بڑے ماہر اور عالم ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن تو پڑھیں گے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہیں



گے: «قَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ، فَمَنْ أَقْرَأُ مِنَّا؟ مَنْ أَعْلَمُ مِنَّا؟» ''ہم قرآن پڑھتے ہیں، کون ہے جو ہم سے بڑا قاری ہو یا عالم ہو؟'' (السلسلة الصحيحة:33/13)

⑭ ریسرچ اسکالرز.....!!!

دین میں غوروفکر کرنا ایک شرعی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کیا وہ قرآن میں غوروفکر نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے لگ چکے ہیں؟'' (محمد 24:47) لیکن یہ غوروفکر تب فائدہ مند ہے جب یہ فہم سلف کی روشنی میں ہو۔ خوارج کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ دین میں بڑی غوروفکر کرنے والے ہوں گے۔ ان میں بڑے بڑے ریسرچ سکالر پیدا ہوں گے مگر ان کی یہ ریسرچ انھیں کچھ فائدہ نہ دے گی کیونکہ ان کی ریسرچ کا دائرہ کار صرف اپنے فہم تک محدود ہوگا۔ ان کی اسی ریسرچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: «يَتَعَمَّقُونَ فِي الدِّينِ حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهُ كَمَا يَخْرُجُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ» ''وہ دین میں بڑی گہرائی تک جانے والے ہوں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر (بغیر کسی خون کے نشان کے) شکار میں سے نکل جاتا ہے۔''

(مسند أحمد: 219/2)

⑮ کلمہ حق کہنے کے دعوے دار

جابر حکمران کے سامنے کلمہ عدل یا کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کلمہ حق قرآن وسنت کی روشنی میں کہا جائے۔ جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کا مقصد حکمران کے خلاف بغاوت نہ ہو۔ خوارج کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ کلمہ حق کہنے کے دعوے دار ہوں گے۔ وہ اعلائے کلمۃ اللہ یا اعلائے کلمۃ الحق کے پرکشش نعرے لگائیں گے لیکن ان کے یہ نعرے دھوکے اور فراڈ پر مبنی ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «سَيَجِيءُ قَوْمٌ يَتَكَلَّمُونَ بِكَلِمَةِ الْحَقِّ لَا يُجَاوِزُ حُلُوقَهُمْ» ''عنقریب ایک قوم آئے گی جو کلمہ حق کی باتیں کریں گے، حقیقت یہ ہوگی کہ کلمہ حق ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرے گا۔'' (مسند أحمد: 147/1) یعنی وہ صرف اپنی زبانوں سے کلمہ حق کہنے کے دعوے کریں گے ان کا دل اس کی تصدیق کرنے والا نہیں ہوگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خوارج نے بغاوت کا اعلان کیا اور اس کے جواز پر یہ دلیل پیش کی کہ «لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ» ''اللہ کے علاوہ کسی کا حکم نہیں۔'' لہٰذا اللہ کے علاوہ کسی کو حاکم تسلیم کرنا کفر ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا: «كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا بَاطِلٌ» ''جس کو یہ دلیل بنا رہے ہیں وہ بات تو حق ہے مگر اس کا معنی و مفہوم باطل لے رہے ہیں۔'' اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بطور دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا: «يَقُولُونَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يَجُوزُ هَذَا مِنْهُمْ» ''یہ زبانوں سے حق تو کہیں گے مگر وہ زبانوں سے تجاوز نہیں کرے گا۔'' (صحیح مسلم: 1066) خلاصہ کلام یہ کہ وہ حق بات کہنے کے تو دعوے دار ہوں گے مگر حقیقت میں حق بات سے کوسوں دور ہوں گے۔





الشیخ عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ

قرآن پاک میں مذکور اسمائے حسنیٰ

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسمائے گرامی مذکور ہیں جنھیں درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① وہ نام جو مفرد ہیں یعنی ایک ہی کلمے پر مشتمل ہیں، البتہ ان کے شروع میں «اَلْ» موجود ہے۔ اگر کہیں وہ «اَلْ» کے بغیر استعمال ہوئے ہیں تو بھی میں نے انھیں «اَلْ» کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

② وہ نام جو ایک ہی کلمے پر مشتمل ہیں اور ان کے شروع میں «اَلْ» موجود نہیں ہے وہ «اَلْ» کے بغیر قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔

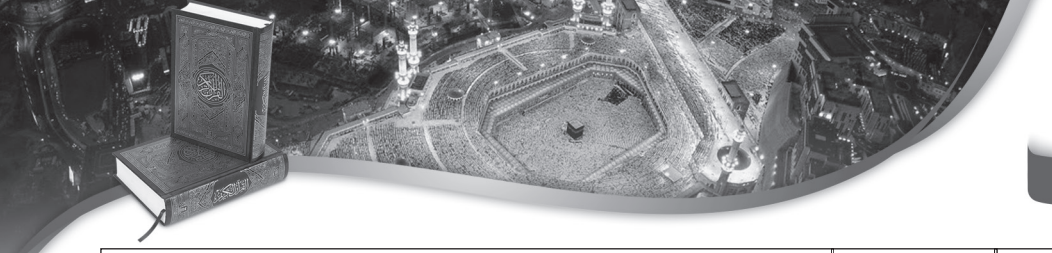
③ وہ نام جو مرکّب ہیں یعنی ایک سے زائد کلمات پر مشتمل ہیں۔

④ مفہومی نام یعنی وہ نام جو صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہوئے مگر معمولی غور وفکر کے بعد ان کا پتہ چل جاتا ہے۔ درج ذیل چاروں قسم کے اسمائے حسنیٰ کو الف، باء کی ترتیب کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، تاہم لفظ اللہ کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ استعمال ہونے والا، خاص الخاص، ذاتی نام ہے۔ ہر نام کا حوالہ اور مختصر مفہوم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ الحمدللہ!

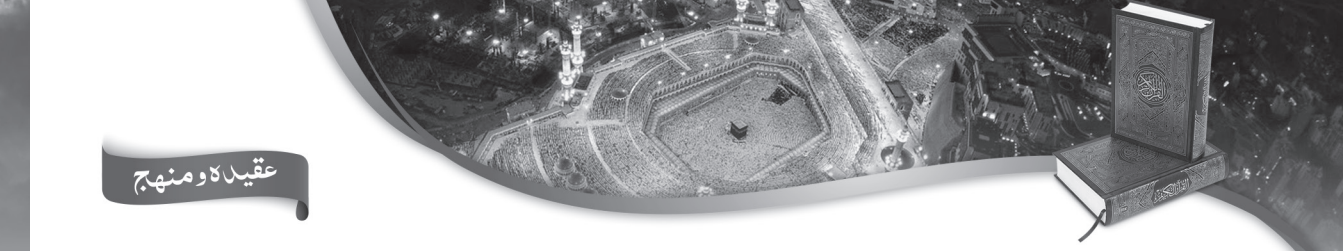
1	اَللّٰهُ	(طٰہٰ 8:20)	خاص الٰہ، سچا معبود، معبود برحق، معبودِ حقیقی (اطاعت، عبادت اور دعا کا اصل اور صحیح حقدار)
2	اَلْاَعْلٰى	(الاعلیٰ 1:87)	سب سے بلند وبالا، ہر لحاظ سے بلند وبرتر، اعلیٰ ترین ہستی
3	اَلْاَوَّلُ	(الحدید 3:57)	سب سے پہلا
4	اَلْاٰخِرُ	(الحدید 3:57)	سب سے پیچھے
5	اَلْاَكْرَمُ	(العلق 3:96)	سب سے زیادہ عزت والا، کرم کرنے والا، سب سے بڑا سخی، داتا
6	اَلْبَاطِنُ	(الحدید 3:57)	سب سے پوشیدہ، سب سے قریب، اپنے کام کسی رکاوٹ کے بغیر کرنے والا
7	اَلْبَارِئُ	(الحشر 24:59)	جان ڈالنے والا
8	اَلْبَرُّ	(الطور 28:52)	نہایت اچھا سلوک کرنے والا
9	اَلْبَصِيْرُ	(الغافر 20:40)	سب کچھ دیکھنے والا
10	اَلتَّوَّابُ	(التوبۃ 104:9)	بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بار بار توبہ قبول کرنے والا
11	اَلْجَبَّارُ	(الحشر 23:59)	سب سے بڑا زبردست، کمی دور کرنے والا، درست کرنے والا
12	اَلْحَيُّ	(البقرۃ 255:2)	کامل الحیاۃ، وہ ہستی جس کی زندگی ہر لحاظ سے کامل ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا
13	اَلْحَقُّ	(الحج 62:22)	برحق، برقرار
14	اَلْحَكِيْمُ	(الحشر 24:59)	بڑی حکمتوں والا، کمال حکمت والا، حکمت ودانائی والا



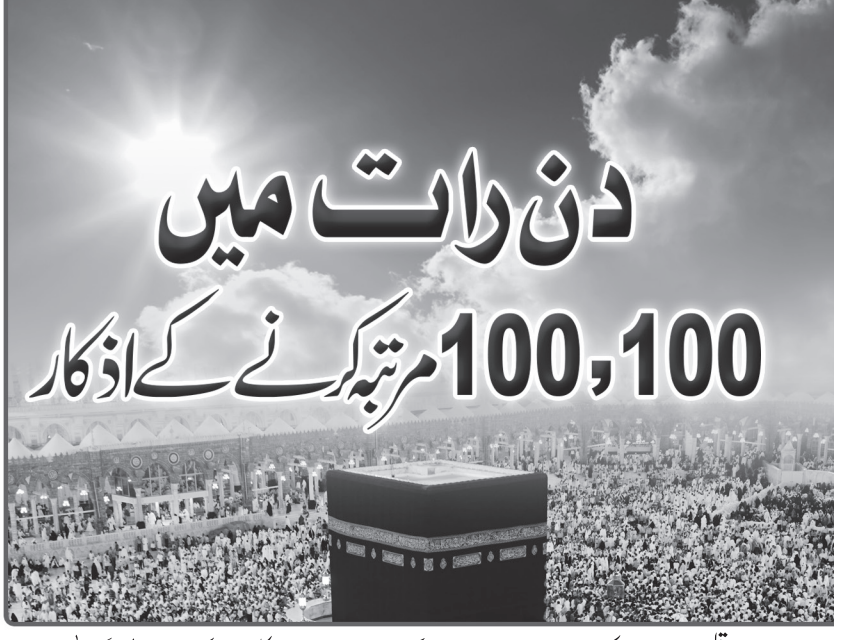
15	اَلْحَمِيْدُ	(الفاطر 15:35)	ہر قسم کی تعریف کے لائق، ہر لحاظ سے قابل تعریف
16	اَلْخَبِيْرُ	(التحریم 3:66)	ہر چیز کی خوب خبر رکھنے والا
17	اَلْخَالِقُ	(الحشر 24:59)	پیدا کرنے والا، وجود میں لانے والا
18	اَلْخَلَّاقُ	(الحجر 86:15)	بڑا پیدا کرنے والا، اچھی طرح پیدا کرنے والا، بہت زیادہ پیدا کرنے والا
19	اَلرَّحْمٰنُ	(الرحمن 1:55)	رحمت کے خزانوں کا مالک، بہت زیادہ رحم کرنے والا، سب پر رحم کرنے والا
20	اَلرَّحِيْمُ	(الحشر 22:59)	رحمت کے خزانے خرچ کرنے والا، بہت زیادہ رحم کرنے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا
21	اَلرَّقِيْبُ	(المآئدۃ 117:5)	بڑا نگہبان، ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا (الأحزاب 52:33)
22	اَلرَّزَّاقُ	(الذاریات 58:51)	بہت بڑا رازق، ہر قسم کا رزق پیدا اور مہیا کرنے والا
23	اَلسَّلَامُ	(الحشر 23:59)	بے عیب، سلامتی والا، سلامتی کا مالک، سلامتی عطا کرنے والا
24	اَلسَّمِيْعُ	(البقرۃ 127:2)	سب کچھ سننے والا، خوب اچھی طرح سننے والا
25	اَلصَّمَدُ	(الاخلاص 2:112)	بے نیاز، ہر خوبی میں کامل، سب کی ضرورت، پیٹ اور اس کے لوازمات سے پاک، جس میں کوئی چیز داخل نہ ہو، جس سے کوئی چیز خارج نہ ہو
26	اَلظَّاهِرُ	(الحدید 3:57)	سب سے اوپر (مزید دیکھیں الکھف 97:18)
27	اَلْعَلِيُّ	(البقرۃ 255:2)	بڑی بلندی والا، ہر لحاظ سے بالا و برتر
28	اَلْعَظِيْمُ	(البقرۃ 255:2)	بڑی عظمت والا
29	اَلْعَزِيْزُ	(الحشر 23:59)	بڑی عزت والا، بڑے غلبے والا، سب پر غالب، جس کی مثال ملنا ممکن نہ ہو
30	اَلْعَلِيْمُ	(البقرۃ 32:2)	سب کچھ جاننے والا
31	اَلْغَنِيُّ	(محمد 38:47)	ہر قسم کی محتاجی سے پاک، جس کے خزانوں میں کبھی کسی چیز کی کمی نہ آئے
32	اَلْغَفُوْرُ	(یونس 107:10)	بہت بخشنے والا
33	اَلْغَفَّارُ	(ص 66:38)	خوب درگزر سے کام لینے والا، بہت زیادہ پردہ پوشی کرنے والا
34	اَلْفَتَّاحُ	(سبا 26:34)	بہت بڑا مشکل کشا، بندشوں کو کھولنے والا، خوب فیصلے کرنے والا
35	اَلْقَيُّوْمُ	(البقرۃ 255:2)	کسی سہارے کے بغیر خود قائم رہنے والا، ہر کسی کا سہارا، سب کو سنبھالنے والا
36	اَلْقَادِرُ	(الأنعام 65:6)	قدرت والا، ہر چیز کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے والا
37	اَلْقُدُّوْسُ	(الحشر 23:59)	ہر قسم کے عیب سے پاک
38	اَلْقَاهِرُ	(الأنعام 18:6)	سب پر غالب، زبردست
39	اَلْقَدِيْرُ	(الروم 54:30)	کامل ترین قدرت والا، ہر چیز پر قادر
40	اَلْقَوِيُّ	(الشوریٰ 19:42)	نہایت طاقتور، بڑی قوت والا
41	اَلْقَهَّارُ	(یوسف 39:12)	سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا
42	اَلْكَبِيْرُ	(الرعد 9:13)	بہت بڑا



43	اَلْكَرِيْمُ	(الانفطار 6:82)	بڑی عزت والا، بہت کرم کرنے والا، بہت بڑا سخی، داتا
44	اَللَّطِيْفُ	(الملك 14:67)	لطف وکرم والا، جسے کوئی نہ دیکھ سکے جب تک خود اپنا دیدار نہ کروائے، باریک بین
45	اَلْمَلِكُ	(الحشر 23:59)	حقیقی بادشاہ
46	اَلْمَتِيْنُ	(الذاریات 58:51)	شدید قوت اور مضبوطی والا
47	اَلْمُتَعَالُ	(الرعد 9:13)	سب سے بلند و برتر
48	اَلْمُتَكَبِّرُ	(الحشر 23:59)	بڑائی اور بزرگی والا
49	اَلْمُبِيْنُ	(النور 25:24)	بالکل واضح، سب سے جدا اور مختلف، نہ کسی کے ساتھ عکس نہ کسی سے مشابہت رکھتا ہے، واضح کرنے والا، بیان کرنے والا
50	اَلْمُصَوِّرُ	(الحشر 24:59)	شکل وصورت بنانے والا
51	اَلْمَوْلٰى	(الانفال 40:8)	مالک اور آقا، ہر قسم کی مدد کرنے والا، بہترین مددگار
52	اَلْمُسْتَعَانُ	(یوسف 18:12)	جس سے مدد طلب کی جائے
53	اَلْمُؤْمِنُ	(الحشر 23:59)	امن وامان دینے والا
54	اَلْمُهَيْمِنُ	(الحشر 23:59)	نگہبان، ہر قسم کے خوف وخطرے کو دور کرنے والا
55	اَلنَّصِيْرُ	(الحج 78:22)	بڑا مددگار، مشکلات کو ٹال کر مدد کرنے والا
56	اَلْوَتْرُ	(الفجر 3:89)	طاق، ایک، یگانہ (زادالمسیر دیکھیں)
57	اَلْوَاحِدُ	(یوسف 39:12)	ایک، ایسا ایک جس کے اجزاء نہیں ہیں
58	اَلْوَلِيُّ	(الشوریٰ 9:42)	دوست، حمایتی اور مددگار، خیر مہیا کر کے مدد کرنے والا
59	اَلْوَكِيْلُ	(آل عمران 173:3)	بڑا کارساز (بندہ اپنے کام جس کے سپرد کردے)
60	اَلْوَدُوْدُ	(البروج 14:85)	بڑی محبت کرنے والا، بڑا محبت کرنے والا
61	اَلْوَهَّابُ	(آل عمران 8:3)	سب کچھ عطا کرنے والا، بہت زیادہ دینے والا، مفت اور مسلسل دینے والا
62	أَحَدٌ	(الاخلاص 1:112)	ایک اکیلا، ایسا اکیلا جس کا کوئی ثانی نہیں ہے
63	أَبْقٰى	(طٰہٰ 73:20)	بہت باقی رہنے والا، ہمیشہ باقی رہنے والا
64	حَافِظٌ	(یوسف 64:12)	نگہبان، حفاظت کرنے والا
65	حَفِيْظٌ	(ھود 57:11)	سب کا محافظ، حفاظتیں کرنے والا
66	حَسِيْبٌ	(النسآء 86:4)	سب کو کافی، حساب لینے والا
67	حَفِيٌّ	(مریم 47:19)	بے حد مہربان، مخلوق کی ضروریات سے آگاہی رکھنے والا، ہر چیز کو اپنے لطف وکرم سے گھیرنے والا
68	حَلِيْمٌ	(البقرة 235:2)	بڑا بردبار (مہلت دینے والا)
69	خَيْرٌ	(طٰہٰ 73:20)	سب سے بہتر، بہت بہتر
70	رَءُوْفٌ	(النور 20:24)	بہت بڑا مشفق ومہربان



71	رَبٌّ	(یٰسین 18:36)	خالق، مالک، رازق، آقا، انتظام کرنے والا، پالنے والا، ضروریاتِ زندگی پیدا اور مہیا کرنے والا، ہر چیز کو اس کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک پہنچانے والا
72	شَاكِرٌ	(البقرۃ 158:2)	قدردان، نیکی اور توبہ کی قدر کرنے والا، اسے قبول کرنے والا، اس کا اجر وثواب دینے والا
73	شَكُوْرٌ	(الشوریٰ 23:42)	خوب قدر کرنے والا، قدردان
74	شَهِيْدٌ	(البروج 9:85)	ہر چیز پر نظر رکھنے والا، ہر چیز پر گواہ
75	عَفُوٌّ	(الحج 60:22)	بہت زیادہ معاف کرنے والا
76	قَرِيْبٌ	(البقرۃ 186:2)	بہت قریب
77	كَفِيْلٌ	(النحل 91:16)	ضامن، کفالت کرنے والا، ضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ داری لینے والا
78	كَافٍ	(الزمر 36:39)	کافی، کفایت کرنے والا
79	مَلِيْكٌ	(القمر 55:54)	اصل بادشاہ
80	مُقْتَدِرٌ	(القمر 55:54)	قوت واقتدار والا، ہر طرح کی قدرت رکھنے والا
81	مَجِيْدٌ	(ھود 73:11)	بڑا بزرگی والا، بڑائی والا
82	مُجِيْبٌ	(ھود 61:11)	دعاؤں کو سننے والا، قبول کرنے والا، پورا کرنے والا
83	مُقِيْتٌ	(النسآء 85:4)	نگہبانی کرنے والا، سب کو روزی اور توانائی دینے والا
84	وَاسِعٌ	(البقرۃ 115:2)	وسعت وفراخی والا
85	هَادٍ	(الحج 54:22)	ہدایت دینے والا، سیدھا راستہ دکھلانے والا، سیدھے راستے پر چلانے والا، توفیق دینے والا
86	اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ	(المؤمنون 14:23)	سب سے بہتر پیدا کرنے والا
87	أَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ	(ھود 45:11)	سب حاکموں سے بڑھ کر فیصلہ دینے والا، حکم دینے والا
88	أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ	(یوسف 64:12)	سب سے زیادہ رحم کرنے والا
89	أَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ	(الأنعام 62:6)	سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا
90	اِلٰهُ النَّاسِ	(الناس 3:114)	سب لوگوں کا معبودِ برحق
91	اِلٰهٌ وَاحِدٌ	(الانعام 19:6)	ایک سچا معبود
92	اَهْلُ التَّقْوٰى	(المدثر 56:74)	تقویٰ کا مالک جسے جتنا دے دے وہ اتنا ہی متقی ہوتا ہے۔ وہ ذات جس کا حق بنتا ہے کہ اس سے ڈرا جائے، جو ڈرنے والے کی نیکی قبول کرلے
93	اَهْلُ الْمَغْفِرَة	(المدثر 56:74)	مغفرت کا مالک جسے جتنی چاہے معافی دے دے، خواہ سارے گناہوں کی خواہ کچھ گناہوں کی، وہ ذات جس کا حق بنتا ہے کہ اس سے معافی مانگی جائے، جو معاف کرنے کا اہل ہے۔ (غائبانہ طور پر کسی اور سے مغفرت کا سوال نہیں کیا جاسکتا)
94	بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	(البقرۃ 117:2)	آسمانوں اور زمین کو کسی سابقہ نمونے (سیمپل) کے بغیر پیدا کرنے والا
95	جَامِعُ النَّاسِ	(آل عمران 9:3)	سب لوگوں کو (میدانِ حشر) میں جمع کرنے والا (جاری ہے)



دن رات میں 100,100 مرتبہ کرنے کے اذکار

حافظ ذیشان ایوب شاکر

قلبی راحت وسکون کا بے مثال فارمولا ذکر خداوندی ہے۔ اس سلسلے میں حکم الٰہی یہ ہے کہ میری یاد میں کثرت کا رنگ نمایاں ہو۔ کثرت کے اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ان مسنون اذکار کو بیان کرتے ہیں جن کا سوبار پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

① **سبحان اللہ:** سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ ہر روز ایک ہزار نیکی کمائے؟ ایک سائل نے دریافت کیا: ہم میں کوئی ایک ہزار نیکی کیسے کمائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سومرتبہ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے) کہے تو اس کے لیے ایک ہزار نیکی لکھ دی جائے گی یا اس کی ایک ہزار خطا دور کردی جائے گی۔(صحیح مسلم: 2698)

② **سبحان اللہ وبحمدہ:** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو دفعہ سبحان اللہ وبحمدہ (پاک ہے اللہ اپنی تعریف کے ساتھ) پڑھا تو اس کی خطاؤں کو معاف کردیا جاتا ہے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحیح البخاري: 6405)

③ **لاالٰہ الا اللہ وحدہ:** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص دن میں سومرتبہ یہ کلمات کہے: «لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِير» ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں بادشاہ ہے قابل تعریف اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا، اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس کی سو برائیاں مٹادی جائیں گی، وہ اس دن شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا اور کوئی شخص بھی اس سے افضل عمل والا نہ ہوگا سوائے اس شخص کے جو ان کلمات کو اس سے زیادہ مرتبہ کہے۔ (صحیح البخاري: 3293) مذکورہ بالا وظیفہ صبح صبح ہی کرلینا چاہیے تاکہ بندہ سارا دن شیطان مردود سے محفوظ رہے۔

④ **صبح وشام:** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جوشخص صبح اور شام سومرتبہ پڑھے: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ» (پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ) تو روزِ قیامت اس انسان سے بہتر کوئی عمل لے کر نہ آئے گا مگر جو اتنا ہی یا اس سے زیادہ کرے۔(صحیح مسلم: 2692)

⑤ **توبہ:** سیدنا اغر بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا اَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّي اَتُوبُ فِي الْيَوْمِ اِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ» ''لوگو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سومرتبہ توبہ کرتا ہوں۔'' (صحیح مسلم: 2702)

⑥ **استغفار (بخشش طلب کرنا):** سیدنا اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے دل پر پردہ ہوجاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ سے کبھی غافل ہوجاتا ہے) «وَاِنِّي لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ» ''بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ سے ہرروز سو مرتبہ بخشش طلب کرتا ہوں۔'' (صحیح مسلم: 2702)

⑦ **فرض نماز کے بعد:** سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمدللہ، 33 مرتبہ اللہ اکبر اور (ایک مرتبہ) «لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِير» کہہ کر سو کی گنتی پوری کرتا ہے تو اس کے (صغیرہ) گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم: 597)

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرض نماز کے بعد پڑھی جانے والی تسبیحات ایسی ہیں کہ انھیں پڑھنے والا نامراد نہیں ہوتا۔ ہر فرض نماز کے بعد 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمدللہ اور 34 بار اللہ اکبر کا کہنا ہے۔ (صحیح مسلم: 596)

⑧ **رات کو سوتے وقت:** نبی محترم ﷺ نے اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نامدار سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو کچھ تم نے (لونڈی یا غلام) مانگے ہیں میں تمھیں اس سے بہتر بات کیوں نہ بتاؤں۔ جب تم دونوں اپنے بستر پر لیٹ جاؤ (تو سونے سے پہلے) 34 مرتبہ اللہ اکبر، 33 دفعہ الحمدللہ اور 33 بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل بہتر ہے اس سے جو تم دونوں نے مانگا ہے۔ (صحیح البخاري: 5362) اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آپ کے سوال اور ان کے جواب

سوال کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو چکے ہیں؟ مہربانی کر کے دلیل اور تفصیل کے ساتھ جواب دیں۔ (ایک سائل)

وفاتِ نبی ﷺ

جواب قرآن وسنت کے قطعی اور صریح دلائل کی روشنی میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طبعی اور دنیوی زندگی گزار کر بعمر تریسٹھ (63) سال فوت ہو چکے ہیں جیسا کہ ہر انسان فوت ہوتا ہے، اور جیسا کہ ہر ذی روح نے اپنے اپنے وقتِ مقررہ پر فوت ہونا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر نفس موت (کا ذائقہ) چکھنے والا ہے۔'' (الأنبیآء 35:21)

اور فرمایا: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ ''بلاشبہ تم وفات پانے والے ہو اور یقیناً یہ لوگ بھی موت کا شکار ہونے والے ہیں۔'' (الزمر 39:30)

آپ علیہ السلام ایک دعا مانگا کرتے تھے، اس میں بھی تمام جن وانس کی موت کی خبر ہے، آپ فرمایا کرتے تھے: «أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ» ''میں تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں، (تو وہ ذات ہے) جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں مگر تو ہی جسے موت نہیں آئے گی جبکہ (تمام) جن وانس موت کا شکار ہوں گے۔ (صحیح البخاري: 7383)

معلوم ہوا آپ علیہ السلام انسانی موت کے مذکورہ عموم سے خارج نہیں، یعنی آپ علیہ السلام بھی یقیناً وفات پا چکے ہیں۔

خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عقیدہ تھا، رسول اللہ ﷺ کی وفات پر انھوں نے فرمایا تھا: «أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ» ''سن لو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ زندہ ہے، مرے گا نہیں۔'' (صحیح البخاري: 3668)

اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَائِنْ مَّاتَ﴾ والی آیت تلاوت فرمائی تھی، یعنی ''محمد (ﷺ) تو صرف ایک رسول کی حیثیت سے ہیں، کیا اگر آپ فوت ہو جائیں۔'' ان سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ آیت پڑھنا شروع کر دی۔ (صحیح البخاري: 1242,1241)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاصے پریشان تھے، بعد میں انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ (صحیح البخاري: 4454)

المختصر نبی کریم ﷺ کی وفات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق ہیں، کسی کا اختلاف نہیں۔

بعض لوگ نبی کریم ﷺ کے بارے میں لفظ ''موت'' کو ناگوار سمجھتے ہیں، حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی وفات کے بارے میں انھی الفاظ سے خبر دی: «مات النبي ﷺ وَإِنَّه لَبَيْنَ حاقِنَتِي وذاقِنَتِي» ''نبی کریم ﷺ فوت ہوئے جبکہ آپ (کا سر مبارک) میری ٹھوڑی اور چھاتی کے درمیان تھا۔'' (صحیح البخاري: 4446)

نیز سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: «أَنَّ أَبَابَكْرٍ رضی اللہ عنہ قَبَّلَ النَّبِيَّ ﷺ بَعدَ مَوتِهِ» ''یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی موت کے بعد انھیں بوسہ دیا۔'' (صحیح البخاري: 4455-4457)

ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے قبض کے الفاظ استعمال فرمائے: «حَتَّى قَبَضَهُ اللّٰهُ» (صحیح البخاري: 4429)



ابوالحسن حافظ عبدالخالق



سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ کی تفسیر رسول اکرم ﷺ کی اَجل (موت) سے کی ہے۔(صحيح البخاري: 4430)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مرض الموت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، فرماتی ہیں: «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ»(صحيح البخاري: 4428)

مرض الموت کی حالت میں خود رسول اللہ ﷺ نے موت کی سختیوں کا اظہار کیا ہے، آپ علیہ السلام زندگی کی آخری گھڑیوں میں اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے اور منہ پر ملتے اور فرماتے: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِنَّ لِلْمَوتِ سَكَرَاتٍ» ''اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، یقیناً موت کی بڑی سختیاں اور مدہوشیاں ہوتی ہیں۔''(صحيح البخاري: 4449)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «كُنْتُ أَسْمَعُ أَنَّهُ لَا يَمُوتُ نَبِيٌّ حَتَّى يُخَيَّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ» ''میں (آپ علیہ السلام) سے سنتی تھی کہ کوئی نبی اس وقت تک وفات نہیں پاتا جب تک اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار نہ دے دیا جائے۔''(صحيح البخاري: 4435، و صحيح مسلم: 2444)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «إِنْ كَانَتْ هَذِهِ لَصَلَاتَهُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا» ''آپ علیہ السلام کی یہی نماز تھی حتی کہ آپ دنیا کو داغ مفارقت دے گئے۔''(صحيح البخاري: 803)

مذکورہ بالا تمام قطعی اور صریح دلائل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ آپ کا دنیا سے تعلق منقطع ہو چکا ہے اور آپ کو اعلیٰ برزخی زندگی حاصل ہے جو دنیوی زندگی کے بالکل مماثل اور مشابہ نہیں، یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

سوال کیا رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں؟

جواب آپ علیہ السلام کی دنیوی زندگی کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ختم ہو چکی ہے، یعنی آپ وفات پا چکے ہیں اور دنیا سے آپ کا تعلق منقطع ہو گیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔

جہاں تک قبر کی زندگی کا تعلق ہے تو وہ آپ علیہ السلام سمیت تمام انبیاء کو حاصل ہے۔ تمام انسانوں کی نسبت انھیں اعلیٰ برزخی زندگی نصیب ہے جس کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس سے اس کی کوئی مناسبت و مماثلت یا کسی قسم کی مشابہت ہی ہے۔ اس برزخی زندگی کا ہمیں شعور نہیں۔ یہ حقیقت میں اخروی زندگی کا ایک حصہ ہے یا اس کی پہلی منزل ہے، اس کی تفصیلات ہمیں معلوم نہیں، اس لیے اس کی تفصیل و کیفیت سے ہمیں خاموش رہنا چاہیے، بس جیسے کتاب و سنت میں منقول ہے ویسے ہی اجمالاً ایمان رکھنا چاہیے۔

سوال کیا کہیں یہ آتا ہے کہ زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک حرام کر دیے گئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے وجودِ طاہرہ کو مٹی نہیں کھاتی

جواب نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جسم مٹی پر حرام کر دیے گئے ہیں، یعنی قبروں میں ان کی میتیں اُسی طرح صحیح سلامت رہتی ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ» ''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجساد کو کھائے۔''(سنن أبي داود للألباني، حديث: 962)

سوال کیا رسول اللہ ﷺ درود و سلام سنتے ہیں؟ دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

جواب کوئی بھی ایسی صحیح صریح حدیث نہیں ملتی جس میں یہ ہو کہ آپ علیہ السلام درود و سلام سنتے ہیں، بلکہ صحیح حدیث میں یہ آتا ہے کہ فرشتے آپ تک امت کا درود و سلام پہنچاتے ہیں، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إن لِلّٰه ملائكة سياحين فِي الأرض يبلغوني من أمتي السلام» ''بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے چلتے پھرتے رہتے، وہ مجھے میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔''(فضل الصلاة على النبي ﷺ از امام اسماعيل القاضي، حديث: 21، وسنن النسائي، حديث: 1283)

بعض لوگ یہ فرق کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر پر پڑھا ہوا درود بذاتِ خود سنتے ہیں، اور دلیل میں یہ روایت پیش کرتے ہیں: «من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا أبلغته» ''جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے وہ میں سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔''

یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:(مجموع الفتاوىٰ: 27/341، سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، حديث: 203) اس حوالے سے شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:«ولم أجد دليلًا على سماعه ﷺ سلام من سلم عليه عند قبره» ''مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی (جس میں یہ ہو) کہ آپ علیہ السلام اپنی قبر کے پاس اپنے اوپر سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے ہیں۔''(تحقيق الآيات البينات في عدم سماع الأموات، ص: 80)

المختصر معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خود دور و نزدیک سے درود و سلام نہیں سنتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ان تک امتیوں کا درود و سلام پہنچاتے ہیں۔



کیا عمامے اور عام جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

ابومعاویہ حیدری ہزاروی

اسلام ایک آسان دین ہے۔ اسے اللہ رب العزت نے انسانی طبیعت اور حالات کے عین مطابق نازل فرمایا ہے، مصلحت سے قریب اور مشقت سے دور۔ اللہ کریم نے فرمایا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ ''اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور ہرگز تنگی نہیں چاہتا۔'' (البقرة 2:185) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «الدِّينُ يُسْرٌ» ''دین بہت آسان ہے۔'' (صحيح البخاري:39) یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی کمزور امت پر کسی بھی معاملے میں مشقت نہیں ڈالی بلکہ آسانیاں ہی آسانیاں رکھی ہیں۔ جن امور شرعیہ میں اللہ تعالیٰ نے آسانیاں رکھیں اور رخصتیں دی ہیں ان آسانیوں اور رخصتوں سے فائدہ اٹھانا زیادہ فائدہ مند اور باعث فضیلت ہے کیونکہ ان رخصتوں پر عمل کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بہت پسند ہے۔ (صحيح ابن حبان: 354) وضو میں اصل حکم تو سر کے مسح اور پاؤں دھونے کا ہے۔ (المآئدہ 6:5) لیکن رؤف رحیم نبی ﷺ نے اپنے کمزور امتیوں پر آسانی کرتے ہوئے حکم ربانی سے انھیں پگڑی، موزوں اور جرابوں پر (مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن اور رات تک) مسح کرنے کی رخصت عنایت فرمائی ہے۔ (صحيح مسلم: 276) موزوں پر مسح کرنا تو بالاتفاق جائز ہے لیکن عمامے اور جرابوں پر مسح عندالمتاخرین مختلف فیہ ہے۔

محدثین کرام نے پگڑی یعنی عمامے پر مسح کے متعلق مستقل ابواب قائم کیے ہیں، مثلاً: «بَابُ الْمَسْحِ عَلَى النَّاصِيَةِ وَالْعَمَامَةِ» (صحیح مسلم) بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْعَمَامَةِ (ابوداؤد، نسائی وغیرہ)

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نے موزوں اور عمامے (پگڑی) پر مسح کیا۔ (صحيح مسلم: 275)

خلیفہ برحق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر چاہو تو عمامے پر مسح کرو اور اگر نہ چاہو تو اتار دو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 225)

حنفی محدث مولانا انور شاہ کاشمیری کہتے ہیں: میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ عمامے پر مسح کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ اس کا ثبوت کیسے ممکن نہ ہو جبکہ اس نظریے کی طرف ائمہ ثلاثہ گئے ہیں۔ اگر اس کی دین میں کوئی اصل نہ ہوتی تو وہ اسے اختیار نہ کرتے..... کیونکہ وہ لوگ دین سے ہدایت یافتہ اور اس کے نشان تھے اور ہمارے پاس دین انھی کی وجہ سے پہنچا، لہٰذا ان پر بدظنی نہیں بلکہ کلی اعتماد ہے۔ (فیض الباری:1/304)

نوٹ: عمامے پر مسح کے لیے ضروری ہے کہ پہلے حالت وضو میں پہنا ہو۔

محدثین عظام نے مسح علی العمامہ کی طرح مسح علی الجوربین وغیرہ پر بھی مستقل ابواب بندی فرمائی ہے، مثلاً: باب المسح علی الجوربین (ابوداؤد) باب الرخصۃ من المسح علی الجوربین (ابن خزیمہ) وغیرہ



جراب کا معنی و مفہوم

اصل بات سے پہلے جراب کے معنی و مفہوم کو سمجھنا نہایت ضروری ہے جس کی بنا پر امت مسلمہ میں غلط فہمیاں پیدا کی گئیں یا پھر خود ساختہ شرائط لگا کر تاویلی راستوں سے انکار کر دیا گیا۔ دراصل جَوْرَب (جراب) کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو پاؤں کو ڈھانپنے اور گرم رکھنے کے لیے ٹخنوں کے اوپر تک پہنی جائے۔ چاہے وہ اون، سوت، روئی، بال یا کسی اور چیز سے بُنی جائے۔ (عارضہ الاحوذی: 124/1، تاج العروس: 181/1، قاموس: 46/1)

حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے لشکر کو پگڑیوں اور تساخین (موزوں) پر مسح کا حکم دیا۔ (سنن أبي داود: 146)

وضاحت: لفظ تساخین موزوں اور پاؤں کو گرم رکھنے والی ہر چیز پر بولا جاتا ہے۔ اگر پہلا مطلب لیا جائے تو بھی صحیح ہے کیونکہ جراب موزہ ہی کی ایک قسم ہے۔ (جیسا کہ آگے آئے گا) اور اگر دوسرا معنی لیا جائے تو ظاہر ہے جرابیں بھی اسی مقصد کے لیے پہنی جاتی ہیں۔

حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔ (سنن أبي داود: 159)

یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن بہت سے شواہد و اجماع صحابہ و تابعین اس کا مؤید ہیں اور حنفی اصولوں کے مطابق بھی صحیح ہے۔

موزوں پر مسح احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ جرابیں موزوں ہی کی ایک قسم ہیں۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے: باب من قال الجوربان بمنزلة الخفين اور اس کے تحت آثار صحابہ و تابعین نقل کیے ہیں جو مذکورہ مقام پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ تابعی کبیر (استاد امام ابوحنیفہ) عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں۔ جرابوں پر مسح موزوں پر مسح کے قائم مقام ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 1991)

تقریباً یہی بات مفتی تقی عثمانی دیوبندی، خادم حسین دیوبندی اور وحیدالزمان کیرانوی دیوبندی نے لکھی ہے۔ دیکھیے درس ترمذی، فضل الودود، القاموس الوحید وغیرہ۔

عمل صحابہ: خلیفہ برحق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الأوسط لابن منذر: 477، مصنف ابن شیبہ: 1986) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 1984، مصنف عبدالرزاق: 774)

نوٹ: جو اقوال مصنف عبدالرزاق میں ہوں (عندالاحناف) مستند و قابل اعتبار ہوتے ہیں۔ (احسن الکلام: 392 از مولانا سرفراز صفدر)

عمل تابعین: امام الزہد والتقویٰ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 1983) شمس الائمہ امام نافع رحمہ اللہ (شاگرد ابن عمر رضی اللہ عنہ) بھی جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 1992)

پوری امت کا اتفاقی عمل: امام ابن قدامہ و امام ابن راہویہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین و ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے اور امام داؤد، امام ترمذی و امام ابن حزم رحمہم اللہ نے ان ائمہ و محدثین کے نام بھی بتائے ہیں۔ جو جرابوں پر مسح کے قائل و فاعل تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے جرابوں پر مسح کے قائل نہ تھے لیکن اپنی وفات سے 3 یا 7 یا 9 دن قبل اپنے شاگردوں (محمد شیبانی و قاضی ابو یوسف) کے فتوے (مسح علی الجوربین) کی طرف رجوع کرلیا تھا اور جرابوں پر مسح کر کے فرماتے تھے کہ میں نے آج ایسا کام کیا ہے جس سے لوگوں کو پہلے منع کرتا تھا۔ (الھدایہ: 60/1)

دیوبندی علماء میں سے مولانا مودودی، مولانا عبدالحق حقانی اور مولانا خادم حسین شجاع آبادی جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ یاد رہے کہ حقانی صاحب کی کتاب مولانا نانوتوی اور مولانا کاشمیری صاحب کو بہت پسند تھی۔

ضروری وضاحت: ان جرابوں سے مراد عرف عام میں موٹی کہلائی جانے والی جرابیں ہیں نہ کہ کوئی خاص جرابیں چاہے وہ کسی بھی چیز سے بنائی گئی ہوں۔ اور پتلی یعنی باریک جراب جس میں پاؤں نظر آتے ہوں، ان پر ہرگز مسح جائز نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی قائل ہے۔ اور ابن القطان نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ دیکھیے: (الإقناع فی مسائل الإجماع، و جامع الترمذی) **مزید دیکھیے:** (فتاویٰ اسلامیہ: 313/1، و تحقیقی اصلاحی و علمی مقالات: 75/6)

عصر کے بعد دو رکعات

محمد شعیب بن محمد حسین

عصر کے بعد دو رکعات پڑھنے کو ممنوع سمجھا جاتا ہے اس بارے میں دلائل سے مزین تحریر پیش خدمت ہے۔

عصر کے بعد سورج زرد ہونے سے پہلے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مسنون عمل ہے، اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، صحابیات رضی اللہ عنہن، اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے ملتا ہے:

① ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ نے دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد نہ سراً اور نہ ہی جہراً چھوڑی ہیں۔'' (صحيح البخاري: 592)

② ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب بھی نبی ﷺ میرے پاس عصر کے بعد تشریف لاتے تو دو رکعت نماز ادا فرماتے۔'' (صحيح البخاري: 593)

③ ''عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا اور وہ خبر دیتے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بیان کیا کہ نبی ﷺ جب بھی ان کے گھر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے یہ دو رکعتیں پڑھیں۔ (صحيح البخاري:1631)

④ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے والے یا پڑھنے کو جائز سمجھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب **المحلی** میں نقل کیے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ان صحابہ کے صرف نام ذکر کرتا ہوں۔ صاحب ذوق لازمی اس مقام کا مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، زبیر، عبداللہ بن زبیر، تمیم الداری، المنکدر، زید بن خالد الجھنی، ابن عباس، ابن عمر، ابوایوب انصاری، ابوجحیفہ، ابودرداء، انس، حسن بن علی، بلال، طارق بن شہاب، عبداللہ بن مسعود اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم۔ یہ کل بیس صحابہ کرام کے اسمائے گرامی ہیں۔

صحابیات کے اسمائے گرامی: ام سلمہ، عائشہ، میمونہ رضی اللہ عنہن۔

تابعین عظام کے اسمائے گرامی: ہشام بن عروہ، انس بن سیرین، طاؤس، مسروق، اسود، ابووائل، قاضی شریح، سعید بن مسیّب، قاسم بن محمد، عبداللہ بن ابی، الہذیل، ابوبردہ بن ابی موسیٰ، عبدالرحمٰن بن اسود، احنف بن قیس، ابوخیثمہ، ابوایوب الہاشمی، عبدالرحمٰن بن بیلمانی، ابراہیم بن میسرہ، ابوالشعثاء، اشعث، عمرو بن میمون رحمہم اللہ۔ (المحلی بالآثار، لابی محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی، مسئلہ نمبر: 285)

عصر کے بعد والی دو رکعات پر اعتراضات اور ان کے جوابات

① عصر کے بعد نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جواب: یہ اعتراض کرنے سے پہلے آپ ﷺ کے منع کرنے والے فرمان کو مکمل طور پر پڑھ لینا چاہیے کہ آپ نے مطلق طور پر

عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یا مقید طور پر.....؟

چنانچہ درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں تو پتہ چلے گا کہ آپ نے مطلقاً عصر کے بعد منع نہیں فرمایا بلکہ سورج زرد ہونے سے غروب آفتاب تک منع فرمایا ہے۔ یعنی عصر کے بعد جب تک سورج بلند ہو، سفید چمکدار ہو آپ نماز پڑھ سکتے ہیں:

① ''آپ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا سوائے اس وقت کے کہ جب تک ابھی سورج بلند ہو۔'' (سنن أبي داود: 1274، و سنن النسائی: 572)

② شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوسعید رضی اللہ عنہ والی حدیث جس میں مطلقاً عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے خاص کریں گے جو ابوداود وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا سوائے اس وقت کے کہ جب ابھی سورج بلند ہو یعنی اس وقت پڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا جو ابوسعید والی حدیث میں عصر کے بعد منع فرمایا، وہ اس وقت منع ہے کہ جب سورج زرد ہو چکا ہو۔ لیکن جب سورج سفید چمکدار اور بلند ہو تو اس وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (ارواء الغلیل: 236/2)

③ امام ابوبکر بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے اپنی کتاب: ''صحیح ابن خزیمۃ'' میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس مذکورہ روایت کو ان مجمل احادیث کی تفسیر قرار دیا ہے، جن میں مطلقاً عصر کے بعد نماز کی ممانعت کا ذکر ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عصر کے بعد نماز کی ممانعت اس وقت ہے جب سورج بلند نہ ہو بلکہ غروب ہونے کے لیے جھک جائے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ حدیث علی ذکر کرتے ہیں: آپ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، سوائے اس وقت کے کہ جب سورج سفید، بلند ہو، اس وقت پڑھ سکتے ہیں۔ (صحیح ابن خزیمۃ: 1284)

④ ''سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صرف غروب شمس کے وقت نماز سے منع کیا گیا ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ: 7337، الصحیحہ للالبانی، تحت الحدیث: 200)

⑤ ''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے وقت نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ شیطان کے سینگ پر طلوع و غروب ہوتا ہے، اور اس کے درمیان والے وقت میں جتنی چاہو نماز پڑھ لو۔'' (مسند أبی یعلی: 4216، الصحیحہ: 314)

یہ روایت ذکر کرنے کے بعد شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: فقہ کی کتابوں میں جو بات مشہور ہے کہ مطلقاً عصر کے بعد نماز منع ہے، اگرچہ سورج بلند چمکدار ہی کیوں نہ ہو؟ گزشتہ دونوں احادیث کے مخالف ہے۔ جن احادیث میں مطلقاً عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، ان کو ان دونوں احادیث سے مقید کریں گے۔

نوٹ: صاحب ذوق حضرات سے گزارش ہے کہ ''فتح الباری'' سے حدیث نمبر: 585 تا 593 اور ''عون المعبود'' سے حدیث نمبر: 1283 تا 1280 کی شرح ایک بار پڑھ لیں فائدہ ہوگا۔

ملاحظہ: عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی ممانعت کے بارے میں عموماً دو احادیث پیش کی جاتی ہیں، قارئین سے التماس ہے کہ پہلے ان کی اسنادی حیثیت دیکھیں کہ وہ نبی کریم ﷺ سے ثابت بھی ہیں یا آپ ﷺ کی طرف ایسے ہی منسوب کردی گئی ہیں؟ ان دونوں احادیث کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے والے حضرات سے التماس ہے کہ ''المحلی'' کے مسئلہ نمبر: 285 کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

حدیث نمبر1: ''سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے اور دوسروں کو پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔'' (سنن أبي داود: 1280)

سندی حیثیت: اس کی سند میں ''محمد بن اسحاق'' راوی مدلس ہے، اور ''عن'' سے بیان کرتا ہے، اور تحدیث بھی ثابت نہیں ہے، اس لیے یہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الضعیفہ: 945، الارواء: 441)

حدیث نمبر2: ''سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھنے کے بعد میرے گھر آکر دو رکعتیں ادا کیں۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! جب ہم سے یہ دو رکعتیں رہ جائیں ہم بھی قضا دے لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔''

سندی حیثیت: اس کی سند منقطع ہے، کیونکہ ذکوان نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ آخری ٹکڑا نہیں سنا، اور پھر یہ روایت منکر بھی ہے، کیونکہ

''مسلم'' کی حدیث:835 کے مخالف ہے، اس لیے اس پوری حدیث میں سے آخری ٹکڑا ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الضعيفه، الحديث: 946، الارواء، تحت الرقم: 440)

اعتراض نمبر2: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے والوں کو مارا کرتے تھے۔ (صحيح البخاري: 1233)

جواب: یہ اعتراض کرنے سے پہلے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مطلقاً عصر کے بعد نماز پڑھنا منع سمجھتے تھے؟ اس لیے پڑھنے والوں کو مارتے تھے یا سدّ ذریعہ کے طور پر مارتے تھے کہ کہیں بعد والے لوگ سورج زرد ہونے کے بعد بھی غروب آفتاب تک نہ پڑھتے رہیں؟ چنانچہ جب ہم تفصیلی احادیث کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مطلقاً عصر کے بعد نماز کو منع نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ تو عصر کے بعد جب تک سورج بلند اور صاف چمکدار ہو، نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے۔ اور وہ مارتے اس لیے تھے کہ بعد میں آنے والے لوگ سورج زرد ہونے سے لے کر غروب تک کے منع والے وقت میں ہی پڑھنا شروع نہ کردیں۔ (تفصیل درجِ ذیل ہے):

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی بھی شخص یہ کوشش نہ کرے کہ وہ طلوع شمس یا غروب شمس کے وقت نماز پڑھے۔'' (صحيح البخاري: 585)

② ''سیدنا عمر نے اپنے دور خلافت میں زید بن خالد رضی اللہ عنہ کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور زید رضی اللہ عنہ کو درہ مارا لیکن زید رضی اللہ عنہ نے نماز جاری رکھی، پھر جب زید رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو فرمایا: ''اب مارو اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! میں ان دو رکعتوں کو کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بھی یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: اے زید بن خالد! اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ کہیں لوگ اس کو رات تک نماز پڑھنے کا ذریعہ نہ بنالیں؟ تو میں ان دو رکعتوں کی وجہ سے نہ مارتا۔ (مصنف عبدالرزاق: 3972)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سدّ ذریعہ کے طور پر منع کرتے تھے، حقیقت میں جواز کے قائل تھے۔

③ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی تو ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹھ جا! اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان کی نماز کے درمیان میں فاصلہ نہیں ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن الخطاب نے اچھا کیا۔ (مسند أحمد: 23170)

اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد نماز کو منع نہیں سمجھتے تھے، اس لیے نماز پر اعتراض نہیں کیا بلکہ فرض کے بعد والی نماز کے درمیان فرق اور فاصلہ نہ کرنے پر اعتراض کیا تھا ورنہ اگر عصر کے بعد نماز کو مطلقاً منع سمجھتے ہوتے تو یہ بھی اعتراض کردیتے اور پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔

④ ''طاؤس تابعی کہتے ہیں: صحابی رسول ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے پہلے عصر کے بعد دو رکعت پڑھا کرتے تھے، پھر عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں چھوڑ دیں، پھر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے پھر پڑھنی شروع کردیں تو ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ان دو رکعتوں کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مارا کرتے تھے اس لیے میں نے چھوڑ دیں تھیں، طاؤس کا بیٹا کہتا ہے: میرے ابو جان بھی یہ دو رکعتیں نہیں چھوڑتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق: 3977)

ثابت ہوا شرعاً یہ دو رکعتیں ممنوع نہیں تھیں، بلکہ سدّ ذریعہ کے طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منع کرتے تھے۔

اعتراض نمبر3: ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا، یعنی امت کے لیے جائز نہیں بلکہ منع ہے۔

جواب: قارئین سے گزارش ہے کہ اعتراض نمبر1 کے تحت بیس صحابہ کرام، تین صحابیات اور بیس تابعین عظام کے نام نقل کردیے گئے ہیں، ان پر دوبارہ ایک نظر فرمالیں اور ان کے اصل ماخذ بھی دیکھ لیں۔ جب اتنے صحابہ کرام، صحابیات اور تابعین عظام عصر کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے یا پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے، تو پھر یہ دو رکعات خاصہ کیسے بن گئیں؟ اور خاصہ کی وہ کون سی تعریف ہے جو ان دو رکعتوں پر لاگو ہوتی ہے؟

معلوم ہوا یہ دو رکعتیں خاصہ نہیں بلکہ عامہ ہیں، امت کے لیے بھی مسنون عمل ہے، ان کو

غیر مسنون کہنا درست نہیں ہے، اور خاصہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، صرف اتنی بات ہے کہ ہم لوگ پڑھتے نہیں ہیں یا اکثر لوگوں کو ان کا علم ہی نہیں ہے۔

نوٹ: خاصہ کے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان کی سندی حیثیت اعتراض نمبر1 کے جواب میں واضح کردی گئی ہے۔ قانون یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو کام بھی کریں وہ عام ہی ہوتا ہے، اور ہمارے لیے بھی وہ مسنون عمل ہوتا ہے، البتہ اگر اس کام کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل آجائے تو وہ آپ کے لیے خاص بن جائے گا، جب تک دلیل نہ آئے وہ کام عام ہی سمجھا جائے گا۔

اعتراض نمبر4: ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ عصر کے بعد جو دو رکعتیں پڑھتے تھے وہ آپ کی ظہر کے بعد والی تھیں، جو ایک دن آپ سے رہ گئی تھیں۔

جواب: ذرا غور فرمائیں کیا وہ ظہر کے بعد والی دو رکعتیں ایک بار رہ گئی تھیں یا ہمیشہ رہ گئی تھیں؟ اگر وہ ایک دن رہ گئی تھیں تو پھر ایک دن آپ ﷺ نے وہ پڑھ لی تھیں۔

کسی آدمی کی کوئی نماز رہ جائے تو وہ ایک ہی دفعہ قضا دیتا ہے یا روزانہ اس کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے؟ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان آپ نے پڑھ لیا ہے کہ آپ ﷺ ان دو رکعتوں کو بھی نہیں چھوڑتے تھے، بلکہ فرماتی ہیں: ''جب بھی آپ ﷺ عصر کے بعد میرے گھر تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔'' (صحیح البخاري: 593) پھر یہ ظہر والی تو نہ ہوئیں؟ ظہر والی تو آپ ﷺ نے ایک دفعہ ہی پڑھی ہیں۔

اعتراض نمبر5: ایک نظریہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ایک عمل شروع کرتے تو پھر وہ کام کرتے ہی چلے جاتے تھے، اس پر ہمیشگی کرتے تھے، ایک دن آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھیں، پھر ان پر ہمیشگی کی، رکعتیں دراصل ظہر ہی کی تھیں۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ جب یہ دو رکعتیں آپ ﷺ کا خاصہ نہیں، اور آپ ﷺ نے ان پر ہمیشگی کی ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: «أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ» ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی کی جائے اگرچہ وہ کم ہی ہو۔'' (صحیح البخاري: 6464) سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: آپ ﷺ جو کام کرتے تو اس پر ہمیشگی فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم: 1934)

تو ثابت ہوا کہ عصر کے بعد دو رکعت پر آپ نے ہمیشگی کی ہے، اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی اتباع میں ہمیں تو بالا ولیٰ ان پر ہمیشگی کرنی چاہیے! یا کم از کم اگر عملی سستی ہے تو اس کو غیر مسنون تو نہیں کہنا چاہیے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم اس سے یہ اصول سمجھ لیں کہ جس عمل کی یا جس نماز کی آپ ﷺ نے ایک بار قضا دی تو اس پر آپ ﷺ ہمیشگی اور دوام فرماتے رہے، تو میرے علم کے مطابق یہ کلی قاعدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کے خلاف احادیث میں مثالیں موجود ہیں:

مثال نمبر1: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک سفر میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات کے آخری وقت میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری لی کہ میں صبح کی نماز کے لیے بیدار کروں گا، لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو بھی نیند آگئی اور سب سوئے رہے، جب سورج کی کرنیں ان پر پڑیں تو آپ ﷺ بیدار ہوئے..... پھر سورج طلوع ہونے کے بعد سب نے نماز پڑھی۔ (صحیح البخاري: 595)

نوٹ: یہ فجر کی نماز آپ ﷺ نے قضا کی لیکن بعد میں کبھی بھی دوبارہ اس کو نہیں پڑھا۔

مثال نمبر2: ایک دفعہ آپ ﷺ کی عصر کی نماز رہ گئی تو آپ نے شام کے بعد پڑھی۔ (صحیح البخاري: 596)

نوٹ: یہ عصر کی نماز آپ ﷺ نے دوبارہ اس طرح مغرب کے بعد کبھی نہیں پڑھی؟

اس سے ثابت ہوا کہ قضاء کی ہوئی نماز کو دوبارہ پڑھنا اور اس پر ہمیشگی کرنا، یہ آپ ﷺ کا اصول نہیں تھا، البتہ نبی کریم ﷺ کوئی نیک کام ابتدا سے، نئے سرے سے شروع کرتے تو اس کے متعلق آپ ﷺ کی کوشش ہوتی تھی کہ اس پر ہمیشگی کی جائے جیسے ابھی شروع میں دو احادیث بخاری و مسلم کی گزری ہیں۔ مذکورہ بالا تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا آپ ﷺ کی سنت ہے۔

ھٰذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب.



اسلامی بنکاری کا نفاذ

پیشکش: حافظ عثمان یوسف

آئین پاکستان کی شق 38 ف میں کہا گیا ہے کہ ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو ملک سے رِبا کا خاتمہ کردیا جائے۔ یہ ملک و قوم کی بدقسمتی ہے کہ اگرچہ آئین کی بالادستی کے دعوے تواتر سے کیے جارہے ہیں مگر آزادی کے بعد سے معیشت و بینکاری کے نظام کو جس طرح چلایا جارہا ہے اس کی روشنی میں ہماری تحقیق کے مطابق اس صدی کے آخر تک بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سودی معیشت کا خاتمہ ہونا ممکن نظر نہیں آرہا۔ یہی سوچ وزارت خزانہ کی بھی رہی ہے۔ دراصل تمام ریاستی ستون اور ریاستی اداروں پر اثر ونفوذ پاجانے والے طاقتور استحصالی طبقات دل وعمل سے نہیں چاہتے کہ اسلامی نظام معیشت و بینکاری کا شریعت کی روح کے مطابق نفاذ ہو کیونکہ عدل پر مبنی اس نظام سے قومی دولت لوٹنے والوں، ٹیکس چوری کرنے والوں اور دوسرے غلط طریقوں سے دولت کے انبار اکٹھے کرنے والوں کے ناجائز مفادات پر ضرب پڑے گی۔

اسٹیٹ بینک نے 2002ء سے ''اسلامی بینکاری'' کا دوبارہ اجرا کیا اور 1984ء سے ''سود سے پاک نظام بینکاری'' کو سود پر مبنی قرار دے دیا۔ اسٹیٹ بینک کی ہدایات کے تحت اب یہ ''اسلامی بینک'' اور سودی بینک ساتھ ساتھ کام کرتے رہیں گے۔ اسٹیٹ بینک نے ملک میں متوازی بینکاری کا یہ نظام 4 ستمبر 2001ء کو ہونے والے انتہائی اعلیٰ سطحی اجلاس کے فیصلے کے تحت نافذ کیا تھا۔ ہم پہلے بھی یہ عرض کرچکے ہیں کہ یہ فیصلہ سپریم کورٹ کے 14 جون 2001ء کے فیصلے سے متصادم ہونے کی بنا پر غیر قانونی تھا لیکن وکلاء برادری کی طرف سے بھی اس کا نوٹس نہیں لیا گیا۔ ہم گزشتہ کئی برسوں سے یہ بھی لکھتے رہے ہیں کہ:

① بینکاری کا یہ متوازی نظام غیر اسلامی ہے اور اس کے ذریعے بھی سودی نظام کو ملک میں دوام بخش دیا گیا ہے۔

② بعض علماء جو مروجہ اسلامی بینکاری کے نظام کی پشت پر ہیں سودی نظام کو برقرار رکھنے اور دوام بخشنے میں عملاً معاونت کررہے ہیں۔

③ موجودہ اسلامی بینکوں کو اسلامی بینک کہا ہی نہیں جاسکتا کیونکہ یہ بینک اسلامی نظام معیشت کے مقاصد کے حصول میں قطعی معاونت نہیں کررہے۔

④ ''اسلامی بینکوں'' نے سرمائے کی فراہمی (قرضوں) کے لیے جو طریقے وضع کیے ہیں وہ حتمی نتائج کے اعتبار سے سود سے مماثلت رکھتے ہیں۔

⑤ اسلامی بینک بھی سودی بینکوں کی طرح اپنے کھاتے داروں کا استحصال کررہے ہیں۔ مروجہ اسلامی نظام بینکاری پر زبردست تنقید کے بعد اسٹیٹ بینک نے 2012ء میں بعداز خرابی بسیار یہ تسلیم کرلیا کہ اسلامی بینکوں نے سرمائے کی فراہمی (قرضوں) کے لیے جو طریقے اپنائے ہیں ان سے شرعی مقاصد حاصل نہیں ہورہے۔ کچھ جید علماء جو مروجہ اسلامی بینکاری کی پشت پر ہیں کچھ موقع پر دبے لفظوں میں یہ



بات تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ متوازی نظام بینکاری غیر اسلامی ہے اور یہ کہ موجودہ اسلامی بینکوں کو دراصل اسلامی بینک کہا ہی نہیں جاسکتا۔ کچھ جید علماء نے موجودہ اسلامی بینکوں کو حیلہ بینک قرار دیا ہے۔

وطن عزیز میں ایک مربوط حکمت عملی کے تحت 2002ء سے یہ پالیسی اپنائی گئی ہے کہ:

① سود کے حرام ہونے کے معاملے کو طویل مدت تک متنازع رکھا جائے۔

② وفاقی حکومت اعلیٰ عدالتوں میں بھی یہ موقف رکھے کہ اسلام نے ربا کو حرام قرار دیا ہے اور بینکوں کا سود رِبا کے زمرے میں نہیں آتا چنانچہ سود حرام نہیں ہے۔

③ سود کو حرام نہ سمجھنے کے باوجود وفاقی حکومت کی پالیسی کی روشنی میں اسٹیٹ بینک سودی بینکوں کے نقش پا پر اسلامی بینکاری کا ایسا متوازی نظام فروغ دے جو طاقتور طبقوں کے ناجائز مفادات کا تحفظ کرتا رہے اور سودی نظام کو دوام مل جائے۔ یہ تمام مقاصد حاصل ہو رہے ہیں اور اس کامیابی میں ریاست کے تمام ستونوں نے اپنا حصہ ڈالا ہے۔

پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت نے 14 نومبر 1991ء اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ نے 23 دسمبر 1999ء کو سود کو ربا قرار دیتے ہوئے اسے ہر شکل میں حرام قرار دیا تھا۔ ہم نے اس مقدمے میں سپریم کورٹ کی معاونت کی تھی۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے 30 جون 2001ء تک کی مہلت دی تھی۔ بدقسمتی سے سپریم کورٹ نے 14 جون 2001ء کو اس فیصلے پر عمل درآمد کی مدت کو بڑھاتے ہوئے قرار دیا کہ حکومت اس پر عمل درآمد کرنے میں مخلص ہے حالانکہ اس بات کے ناقابل تردید شواہد موجود تھے کہ حکومت اس فیصلے پر عمل نہیں کرے گی۔ اس فیصلے سے دو ماہ قبل خود ہم نے ان ہی کالموں میں لکھا تھا کہ اس فیصلے پر عمل نہ کرنے کا فیصلہ کیا جاچکا ہے۔ جسٹس (ر) سعید الزماں صدیقی بھی یہ بات کہہ چکے تھے کہ حکومت اس پر عمل نہیں کرے گی۔ اس کے بعد پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والی سپریم کورٹ نے 24 جون 2002ء کو سود کو حرام قرار دینے والے فیصلوں کو کالعدم کرتے ہوئے مقدمہ واپس شرعی عدالت کو بھیج دیا جہاں یہ مقدمہ 13 برس سے التواء میں پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ یہ مقدمہ آج بھی اسی پوزیشن پر ہے جہاں یہ 24 برس قبل تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے طاقتور طبقوں کے ناجائز مفادات کو تحفظ مل رہا ہے۔ علماء، مفتیان، 22 اسلامی بینکوں و اداروں کے تنخواہ دار شریعہ مشیر اور اسلامی نظام کی علم بردار مذہبی اور سیاسی جماعتیں وغیرہ بھی اس پر کسی اضطراب کا اظہار نہیں کر رہیں، حالانکہ دوسری خرابیاں بھی برقرار ہیں۔

اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ نے کچھ عرصہ قبل صکوک کی بیع موجل پر مبنی ایک نئی پروڈکٹ کی منظوری دی ہے جس میں اسٹیٹ بینک اسلامی بینکوں سے صکوک کی مدت ختم ہونے کے قریب انھیں خرید کر مارکیٹ سے اربوں روپے حاصل کرلیتا ہے اور یہی رقم اوپن مارکیٹ آپریشن کے ذریعے سودی بینکوں کو فراہم کردی جاتی ہے۔ جبکہ اسلامی بینک ٹریژری بلز سے منسلک منافع کے حقدار بن جاتے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک ضروری ہے کہ مدت کے اختتام پر صکوک قابل وصول قرضے بن جاتے ہیں اور لیز کی مدت بھی ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اسلامی بینکوں کو ملنے والا منافع دراصل سود ہی ہے جبکہ کھاتے دار جو رقوم اسلامی بینکوں میں جمع کراتے ہیں وہ سودی بینکوں تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی نہیں، اسلامی بینک سود کی آمدنی کو منافع کے نام پر کھاتے داروں میں بھی تقسیم کردیتے ہیں۔ اسلامی بینکوں کے شریعہ بورڈز کو اس پروڈکٹ کے نکات کا شرعی اصولوں کی روشنی میں جائزہ لینا ہوگا۔ ہم گورنر اسٹیٹ بینک اور اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کے چیئرمین سے بھی دردمندانہ درخواست کریں گے کہ وہ اس پروڈکٹ کی تفصیلات کو مشتہر کرکے دیگر علماء مسلم ماہرین معیشت و بینکاری، ماہرین قانون اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے آراء طلب کریں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے گزشتہ 13 برسوں سے مروجہ متوازی نظام بینکاری، اسلامی بینکاری کا شرعی مقاصد پورے نہ کرنا، اس میں سود سرایت کرتے چلے جانے اور سودی نظام کو ملک میں دوام حاصل ہوجانے کے ضمن میں مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ اسٹیٹ بینک کے شریعہ بورڈ کی بھی یہ مذہبی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کو یہ بتلائے کہ ملک میں گزشتہ 13 برسوں سے نافذ متوازی نظام بینکاری غیر اسلامی ہے۔



1971

دشمن کو پہچانیے

تاریخ کے جھروکوں سے.....سانحہ مشرقی پاکستان

ڈاکٹر ممتاز عمر

پاکستان سے محبت کی سزا آج تک دی جارہی ہے

پاکستان میں ایسے سیاستدانوں اور دانشوروں کی کمی نہیں جو آج بھی اس خام خیالی کا شکار ہیں کہ بھارت کی مہم جوئی، سرحدی خلاف ورزی اور مسلم دشمنی وقتی نوعیت کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہماری صلح جوئی، امن پسندی، برداشت اور امن کی فاختہ اڑانے سے ظلم وستم اور جارحیت کا یہ طوفان خود بخود تھم جائے گا اور ممکن ہے کہ اس برہمنی اژدہے کا پیٹ بھر جائے اور یہ اکیسویں صدی کے مہذب معاشروں کی طرح پرامن ہمسائیگی کے آداب سیکھنے پر مجبور ہو جائے لیکن یہ خود فریبی ہمیں مسلسل جھکنے اور بے بسی سے دوچار کرنے کے سوا کچھ نہ دے پائے گی۔ ہندو فسطائیت نئی گھن گرج کے ساتھ تمام دنیا کو اپنے بہروپ کے ذریعے دھوکہ دینے میں کامیاب ہے اور اس کے توسیعی عزائم اور جارحانہ طرز عمل میں نہ کسی قسم کی تبدیلی ہے اور نہ اس کے امکانات۔

پاکستان کے حصول کے ساتھ ہی ہندوؤں نے قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم کیا جس میں پندرہ لاکھ نہتے انسانوں کی قربانیاں دی گئیں۔ اس قربانی کے نتیجے میں پاکستان کو ایک ناقابل تسخیر قلعہ اور اسلامی تہذیب و اخلاق کا گہوارہ بنانے کا خوش آئند خواب پیش نظر تھا۔ تحریک پاکستان کے خونچکاں باب کے بعد استحکام پاکستان کی تمام تر کوششیں ان سازشوں کی نذر ہوئیں جو پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرتی رہیں اور اس کے لیے جغرافیائی اعتبار سے الگ تھلگ مشرقی پاکستان میں دو قومی نظریے کے خلاف بنگالیوں کو لسانی و نسلی عصبیت کی بھینٹ چڑھا کر پاکستانی افواج کے مدمقابل کھڑا کر دیا گیا۔

بھارتی سامراجی ذہنیت 1971ء میں مشرقی پاکستان پر لشکر کشی، ڈھاکہ کے سقوط اور لاکھوں مسلمانوں کی تباہی کی شکل میں کھل کر سامنے آئی۔ اس جارحیت کے باوجود جو لوگ آج بھی بھارت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے امن اور آشتی کی امید لگائے ہوئے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ بقول نسیم حجازی ''جن کے اسلاف وسطی ایشیا سے ہزاروں سال قبل پاپیادہ اور ٹٹوؤں پر سوار ہو کر نئی شکارگاہوں کی تلاش میں نکلے تھے اور اپنی لاٹھیوں اور تلواروں کے بل بوتے پر پورے ہندوستان پر مسلط ہو گئے تھے، اکیسویں صدی میں ٹینکوں، طیاروں اور ایٹمی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اپنی نئی جارحیت کے راستے میں کسی سرحد کو آخری سرحد کیونکر تسلیم کریں گے۔''

سقوطِ ڈھاکہ کیوں رونما ہوا؟ اس کی ایک وجہ تو ہمارے نظریاتی ملی حصار کا ٹوٹ جانا تھا جو کفر و اسلام کے درمیان ذہنی فاصلوں کی بناء تھا۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ پاکستان کا یہ حصہ ہندو تہذیب و اخلاق کے سمندر میں ایک جزیرے کی مانند تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ ہماری لغزش یہ رہی کہ ہم ہندو فسطائیت کے بت کو توڑ کر اپنے بھائیوں کی ذہنی تربیت کا سامان نہ کر پائے اور اس نظریاتی تصور کو اجاگر کرنے میں ناکام رہے جو تقسیم برصغیر کی بنیاد تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ہمارا رویہ بنی اسرائیل کے ان بھٹکے ہوئے راہبوں کی طرح تھا جو فرعون کی غلامی سے آزاد ہو کر سامری کے سحر کا شکار ہوئے اور سنہرے بچھڑے کی پوجا میں بھٹکنے لگے۔ ہمارے حکمرانوں نے بھارتی یلغار کے سامنے بند باندھتے ہوئے اسلامی تہذیب و تمدن سے آراستہ تعلیمی اداروں



کے قیام کے بجائے ہندو یلغار کے سامنے انھیں بے یارومددگار چھوڑ دیا۔

اگر ہم تاریخ کی ورق گردانی کریں تو اندازہ ہوگا کہ قیام پاکستان کے بعد اسلامی اقدار و روایات تو ایک طرف مروجہ سیاسی و جمہوری اقدار کا پاس بھی نہ رکھا جاسکا، پھر بنگالیوں کو مغربی پاکستان کے بھائیوں کی طرف سے ایثار وقربانی کے جس جذبے کی توقع تھی وہ محض ان کی خام خیالی ثابت ہوا۔ غربت بنگالیوں کے لیے المیہ تھی تو وہاں کے معاشی و تعلیمی نظام پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ دیہی علاقوں میں خصوصاً اور شہری علاقوں میں عموماً ہندوؤں کی اجارہ داری تھی۔ یہاں کے بارہ سو نوے ہائی سکولوں اور سینتالیس کالجوں میں سے پچانوے فیصد پر ہندوؤں کا کنٹرول تھا۔ ہندو اساتذہ اس کا فائدہ اٹھا کر بنگالی نوجوانوں کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکانے میں اہم کردار کے حامل تھے۔ طلبہ کو ایسی کتب پڑھائی جاتی تھیں جو نظریہ پاکستان کے خلاف ہوتیں، تعلیمی اداروں میں قائداعظم کی تصویر وتصورات کے بجائے گاندھی اور نہرو کی تصاویر آویزاں ہوتیں اور تصورات اجاگر کیے جاتے۔ قومی وملی بے حسی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ڈھاکہ میں بلبل اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ یہ وہ ادارہ تھا جو مسلم معاشرے میں رقص وموسیقی کی تعلیم دے رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے قیام کے چند سال بعد مساجد کے شہر ڈھاکہ میں نماز فجر کے بعد ہر تیسرے گھر میں موسیقی کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔

تقسیم برصغیر کے نتیجے میں پاکستان کا آزاد علاقہ دو حصوں پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ بحری راستہ دشوار گزار اور بھارتی رحم وکرم پر تھا۔ تقسیم کے موقع پر برطانوی حکومت نے خشکی کے محفوظ راستے کے ذریعے دونوں علاقوں کو ملانے کا مطالبہ یکسر رد کردیا تھا۔ مسلمانوں نے آزاد وطن کا جو خواب دیکھا تھا اور جس کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ ان میں پھوٹا پڑ رہا تھا، تقسیم برصغیر کے بعد آہستہ آہستہ وہ جوش و جذبہ سرد پڑنے لگا۔ اس موقع پر دونوں حصوں کو یکجا رکھنے کے لیے گہری فراست، تحمل اور سیاسی رواداری کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے ایسے آئین کی منظوری جو قومی اتحاد اور یگانگت کی علامت ہو اشد ضروری تھی مگر اہل اقتدار نے جمہوری اور سیاسی روایات کے تحت نظم حکومت چلانے کو خطرہ سمجھتے ہوئے اس راہ میں رکاوٹیں ڈالیں جس کے نتیجے میں غیر منصفانہ اقدامات بنگالیوں کی طرف سے مرکزی حکومت پر شک کو ہوا دینے کا باعث بنے۔

تقسیم برصغیر کے فوراً بعد ہی مشرقی پاکستان کی طرف سے بنگالی کو قومی زبان بنانے کا مطالبہ سامنے آیا جس کے پیچھے اکثریت کے استحقاق کا پہلو کارفرما تھا۔ اس مطالبے کو خاصے پس وپیش کے بعد اس طرح منظور کیا گیا کہ اس دوران میں بنگالیوں کو دو نوجوان طلبہ کی شہادت پیش کرنا پڑی۔ یوں ان طلبہ کی شہادت کی یاد میں ''شہید مینار'' اس زخم کو ظاہر کرنے اور تازہ رکھنے کے لیے تعمیر کیا گیا۔

ایک اور نمایاں فرق دونوں حصوں کے درمیان طبقاتی فرق کا تھا۔ دوسری دستور ساز اسمبلی کے مغربی پاکستان کے چالیس اراکین میں سے اٹھائیس جاگیردار تھے تو اس کے برعکس مشرقی پاکستان کی نمائندگی کرنے والے بیس وکلاء اور نو ریٹائرڈ سرکاری ملازمین تھے۔ یہ طبقاتی فرق دستورسازی کے امور میں ان کی سوچ کو متضاد بناتا تھا۔ یوں یہ ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت کی راہوں پر نہ چل پائے۔ مشرقی صوبے کے عوام ہندوؤں کے خوف اور اسلام کے تصورِ عدل ومساوات کی بناء پر تحریک آزادی میں شامل ہوئے تھے۔

1958ء میں ملک میں مارشل لاء کی آمد اور حکومت کی تبدیلی کے ساتھ مشرقی پاکستان میں ایک پولیس آفیسر کو گورنر بنایا گیا جس نے حالات سے نمٹنے کے لیے طاقت اور خوف و ہراس کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے بنگالیوں کے محبوب لیڈروں شیخ مجیب الرحمٰن اور تفضّل حسین کو نہ صرف گرفتار کیا بلکہ تشدد کا نشانہ بھی بنایا جس کی بازگشت عوام کے اشتعال میں اضافے کا باعث بنی۔ دوسری طرف صدر ایوب خان نے بعض مثبت فیصلے بھی کیے، مثلاً: 1962ء کے دستور کی آئینی شق کے تحت صوبائی تفاوت کو رفع کرنا حکومت کی آئینی ذمہ داری تھی۔ کچھ معاشی اصلاحات کے تحت دوسرے پنج سالہ منصوبے میں 1961ء کے بعد نظر ثانی کے نتیجے میں منصوبے کے ترقیاتی اخراجات کا رخ مشرقی پاکستان کی طرف موڑ دیا گیا۔ تیسرے پنج سالہ منصوبے میں اسی حکمت



عملی کے تحت مشرقی پاکستان کے لیے سولہ سو کروڑ اور مغربی پاکستان کے لیے چودہ سو کروڑ روپے کے ترقیاتی منصوبے وضع کیے گئے۔ سول سرکاری ملازمتوں میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے لیے چالیس چالیس فیصد اور بیس فیصد میرٹ کا اصول اپنایا جسے بعد میں مشرقی کے لیے ساٹھ فیصد اور مغربی کے لیے چالیس فیصد تک محدود کردیا گیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ قیام پاکستان کے وقت کے سول سروس کے 83 افسروں میں سے ایک بنگالی کے مقابلے میں اب سول سروس کا چونتیس فیصد حصہ مشرقی پاکستان کے افراد پر مشتمل تھا۔ قیام پاکستان کے وقت فوج میں بنگالیوں کی تعداد ایک فیصد تھی جس میں اضافے کے لیے جسمانی معیار میں رعایت دی گئی اور جس کی وجہ سے بحری اور فضائی افواج میں بنگالیوں کا تناسب خاصا بڑھ گیا۔ صنعتی ترقی کے لیے اسٹیٹ بنک کی جانب سے قرضوں کا فیاضانہ انداز اپنایا گیا تو مشینوں کی درآمدی ڈیوٹی میں رعایت دی گئی اور ٹیکسوں کی چھوٹ بھی مغربی پاکستان کے مقابلے میں زیادہ دی گئی۔ ساتھ ہی سیمنٹ پر امدادی قیمت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان تمام اقدامات کے باوجود 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر عدم تحفظ نے مشرقی پاکستان کے عوام کو مشتعل کیا کیونکہ محض ایک ڈویژن فوج دفاعی ضرورتوں کے لیے ناکافی تھی اور بنگالیوں کا یہ مؤقف کہ ''اگر جنگ کے دوران میں مشرقی پاکستان کی حفاظت کا سہرا پاکستانی فوج کے بجائے (جس پر مغربی پاکستان کو ہمیشہ ناز رہا ہے) چین کی بھارت سے اتفاقیہ دشمنی کے سر ہے تو ہمیں پاکستان کی ضرورت ہی کیا ہے، درست تھا۔ معاہدہ تاشقند کے بعد مغربی پاکستان میں مظاہرے، جلسے جلوس اور گرفتاریاں ہوئیں تو مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کے چھ نکات منظر عام پر آئے۔ ان کو طوفان کا پیش خیمہ قرار دینا جائز تھا مگر بین الاقوامی پریس نے اسے جو پذیرائی بخشی وہ ایک بین الاقوامی سازش کی طرف کھلا اشارہ تھی۔ صدر ایوب نے ان چھ نکات کی مذمت کرتے ہوئے اسے علیحدگی کی تحریک قرار دیا۔ ''اگرتلہ سازش کیس'' میں مجیب الرحمٰن اور دیگر عوامی لیگی رہنماؤں کی گرفتاری اور بھونڈے انداز میں مقدمے کی کارروائی اور ان رہنماؤں پر پولیس تشدد کے افسانوں نے عوام کو مشتعل کیا۔ 1968ء میں مولانا بھاشانی نے احتجاج، ہڑتال اور جلاؤ گھیراؤ کی سیاست میں کود پڑنے کا اعلان کیا۔ عوام اور فوج ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے۔ فوج اور مغربی پاکستان کے خلاف نفرت بڑھتی جارہی تھی، خانہ جنگی کی کیفیت برپا تھی۔ موقع کا فائدہ اٹھا کر بھارتی ایجنٹ ملک میں داخل ہوگئے، انھوں نے مقامی ہندوؤں کے ساتھ مل کر باغیانہ روش کو فروغ دیتے ہوئے اکثر مظاہروں میں ''جے ہند'' اور ''اکھنڈ بھارت'' کے نعرے لگوائے۔ صدر ایوب نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن اور دیگر رہنماؤں کو رہا کردیا اور تمام سیاست دانوں کی ایک گول میز کانفرنس بلائی۔ تمام محبِّ وطن سیاستدانوں نے مجیب الرحمٰن کو چھ نکات پر نرم رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جو بے سود رہی۔ دوسری طرف ایوانِ اقتدار میں سازشیں اپنے عروج پر تھیں۔ یحییٰ خان نے مولانا بھاشانی، ذوالفقار علی بھٹو اور مجیب الرحمٰن کو سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ ملالیا اور یوں ان کی صدارت کے لیے راہیں ہموار ہوگئیں۔

1969ء کے فروری مارچ میں جلاؤ گھیراؤ نے اقتدار کے ایوانوں تک کو گرما دیا۔ مجبوراً ایوب خان ایک الوداعی تقریر کرکے رخصت ہوئے اور اپنی ذمہ داریاں اپنے ہی نامزد جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے سپرد کرگئے۔ کہا جاتا ہے یہ سب کچھ یحییٰ خان کے دباؤ پر ہوا تھا انھوں نے شراب پی کر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے باشندوں کے نام اپنی تقریر نشر کروائی۔ منصب صدارت پر متمکن ہونے کے کچھ عرصے بعد انھوں نے ملک میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کردیا جس کے لیے طویل انتخابی مہم چلائی گئی۔

اس انتخابی مہم کے دوران میں مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کا دوسری جماعتوں کے بارے میں معیار یہ تھا کہ وہ دونوں صوبوں کے درمیان یگانگت پھیلاتی ہیں یا منافرت! جنوری 1971ء میں اس نے جماعت اسلامی کے جلسے کو مبینہ طور پر اس لیے درہم برہم کیا تھا کہ یہ دونوں صوبوں کے درمیان اسلامی رشتے پر زور دیتی تھی۔ اس ابتدائی واقعہ سے عوامی لیگ نے ایسی فضا پیدا کی کہ آئندہ انتخابی مہم کے دوران میں اس نے اپنا غلبہ قائم رکھا اور جماعت دب



کر رہ گئی۔ اس کے علاوہ عوامی لیگ نے پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی (پی۔ڈی۔پی) کے جلسوں میں یکم فروری، 28 فروری اور 7 مارچ کو بالترتیب ڈھاکہ، چٹاگانگ اور سید پور میں گڑبڑ کی اور 10 مارچ، 15 مارچ اور 12 اپریل کو کومیلا، باریسال اور ڈھاکہ میں کنونشن مسلم لیگ کے جلسوں کو ناکام بنایا۔ اسی طرح کئی اور مقامات پر اس نے اپنے سیاسی حریفوں کے قدم جمنے نہ دیے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے وہاں موجود فوجی اور سیاسی قیادت اس شش و پنج سے دوچار ہوئی کہ کہیں مجیب کے چھ نکات انتخابی نتائج پر اس طرح اثرانداز نہ ہوں کہ دوسروں کا مکمل صفایا ہوجائے۔ یہ مسئلہ ایک ایسی اعلیٰ سطحی کانفرنس میں بھی اٹھایا گیا جس کی صدارت صدر یحییٰ نے کی۔ اس موقع پر گورنر وائس ایڈمرل ایس ایم احسن نے مارشل لاء کے ریگولیشن 16 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجیب کے چھ نکات کے پرچار پر خدشات کا اظہار کیا تو انھیں یہ کہہ کر خاموش کرادیا گیا ''آپ فکر نہ کریں۔'' یہ مسئلہ بڑھتے بڑھتے 4 جون 1970ء تک اس نزاعی بیان تک پہنچا جب مجیب نے کہا ''میری پارٹی آئندہ انتخابات کو چھ نکات پر ریفرنڈم سمجھتی ہے۔'' یہ ایک خطرناک اعلان تھا جس کا نورالامین صاحب نے فوراً نوٹس لیا اور کہا: ''اگر آئندہ انتخابات کو چھ نکاتی پروگرام پر ریفرنڈم تسلیم کرلیا گیا اور مغربی پاکستان نے اس کی حمایت نہ کی تو دونوں صوبے الگ ہوجائیں گے۔''

عوامی اکثریت خوف و ہراس سے دوچار تھی۔ 7 دسمبر سے قبل کسی کو یقین نہ تھا کہ انتخابات مقررہ وقت پر ہوں گے، پھر بھی عوامی لیگ کی تیاری پوری تھی، چنانچہ انتخابات اس حالت میں ہوئے کہ پولنگ اسٹیشنوں پر ان کے غنڈوں نے قبضہ جما رکھا تھا، پولنگ اور پریذائیڈنگ افسران ان کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ رکھتے تھے، مخالف سیاسی جماعتوں کے ایجنٹ اگر شکایت زبان پر لاتے تو کوئی شنوائی نہ ہوتی یہاں تک کہ فوجی افسران کے پاس بوگس ووٹنگ اور کم عمر ووٹرز کے ووٹ ڈالنے پر شکایت کی گئی تو وہ بولے: یہ پریذائیڈنگ آفیسر سے متعلق معاملہ ہے۔ ہاں! اگر خون خرابہ ہو تو ہم مداخلت کرسکتے ہیں۔ یوں 313 رکنی اسمبلی کی تیرہ خواتین مخصوص نشستوں سے قطع نظر تین سو رکنی ایوان میں کوئی ایسی سیاسی جماعت منظر عام پر نہ آئی جو مشرقی اور مغربی پاکستان میں یکساں مقبولیت رکھتی ہو۔ انتخابی نتائج کے مطابق عوامی لیگ نے 160 نشستوں پر کامیابی حاصل کی مگر اس کے چھ نکات اور چار ماہ میں آئین کی تیاری کی پابندی ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ بنے۔ یہی نہیں صرف مغربی پاکستان میں 81 نشستیں جیتنے والی پیپلز پارٹی کے رہنما ذوالفقار علی بھٹو پارلیمنٹ کے اجلاس کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ یوں قومی اسمبلی میں سادہ اکثریت حاصل کرنے والی عوامی لیگ اور مشرقی پاکستان کے عوام مغربی پاکستان کی پالیسیوں سے مزید متنفر ہونے لگے۔

صدر یحییٰ کا دور اقتدار بھی کیا خوب تھا۔ اصل حکمرانی ان کے پرنسپل اسٹاف آفیسر لیفٹیننٹ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ کی تھی جو سرکاری فائلوں سے نمٹتے اور امور مملکت کو نمٹاتے تھے۔ وہ اتنی احتیاط ضرور برتتے کہ اہم قومی امور پر صدر صاحب سے فیصلے لے لیا کرتے تھے۔ صدر مملکت کی معاملات سے یہ بے خبری نہایت تباہ کن ثابت ہوئی۔ 1971ء آتے آتے حالات اس قدر خراب ہوئے کہ ملک بدنظمی کا شکار ہوگیا۔ صدر یحییٰ نے جنرل پیرزادہ سے پوچھا: مسئلہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن وزیراعظم بننا چاہتے ہیں۔ یحییٰ خان بے نیازی سے کہنے لگے: بنا دو، یہ کیا مسئلہ ہے؟

مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کے ان حالات میں غربت کا یہ عالم تھا کہ صدیق سالک نے ''سلیوٹ'' میں لکھا ہے کہ ''جنوری 1970ء میں جب میں وہاں تعینات ہوکر گیا تو پندرہ خواتین گھر میں کام کرنے کی خواہشمند تھیں۔ میری بیوی نے تین کو ملازم رکھا۔ میں نے اسراف جانتے ہوئے بازپرس کی تو کہنے لگیں: راولپنڈی میں جتنی تنخواہ ایک کو دیتی تھی اتنی پر یہ تینوں بخوشی رضامند ہیں۔'' یہی نہیں وہ اسی تصنیف میں رقم طراز ہیں کہ ''بنگالی بڑے محبت کرنے والے لوگ تھے۔ وہ محبت کے پیاسے تھے۔ اگر ان کی محبت کا جواب محبت سے دیا جاتا تو وہ بچھ جاتے تھے اور اگر ان سے رعونت اور بالادستی کا مظاہرہ کیا جائے تو وہ بچھو بن جاتے تھے۔ چھاؤنی کے اندر بنگالیوں کے



خلاف خاصا تعصب پایا جاتا تھا جو ممکن ہے بنگالیوں کے دل میں پائے جانے والے تعصب کا عکس ہو لیکن دوطرفہ تعصب کو دور کرنے کی ذمہ داری بھی مغربی پاکستانیوں پر تھی کیونکہ وہی بالادست اور غالب حالت میں تھے۔ بعض وفاقی پالیسیاں بھی ناقابل فہم تھیں۔ بنگالی تاجر اور صنعت کار اکثر گلہ کرتے تھے کہ ''سالک صاحب! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم چٹاگانگ میں ربڑ انڈسٹری لگانے کے لیے جاپان سے مال خریدتے ہیں تو بحری جہاز ہماری بغل سے گزر کر کراچی جاتا ہے جہاں چیکنگ اور ڈیوٹی وغیرہ ادا کرنے کے بعد واپس چٹاگانگ بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح ہم بنگال میں فوج کے لیے پٹ سن (Jute) کے رسے اور کیموفلاج نیٹ تیار کرتے ہیں۔ ان کی ضرورت یہاں فوج کو ہے لیکن حکم ملتا ہے کہ پہلے مغربی پاکستان کو بھیجو، چیکنگ کراؤ اور پھر واپس شپمنٹ کا انتظام کرو۔ یوں لگتا ہے کہ جب تک مغربی پاکستان کے مقدس ہاتھ اسے چھو نہ لیں وہ بنگالیوں کے لیے لائق استعمال نہیں ہوسکتی۔ ویسے ان کی یہ بات مجھے بھی درست معلوم ہوئی کیونکہ بنگالی فوٹو گرافر کو ڈھاکہ سے باہر بھیجنے کے لیے راولپنڈی سے اجازت لینا لازمی تھی۔''

سیاسی بے چینی کا یہ حال تھا کہ مظاہرے، جلاؤ گھیراؤ اور اس کے سدباب کے کرفیو اور فوجی عدالتوں کے اقدامات منظر عام پر آئے۔ لیفٹیننٹ جنرل یعقوب خان نے ان اخباری سرخیوں پر بروقت توجہ دی اور انھوں نے فوج کی محض خانہ جنگی اور کرفیو کی پابندی کی خبروں کے بجائے پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی خبریں لگوانے پر بھی توجہ دی۔ ساتھ ہی مقامی اخبارات کے مدیروں سے مہینے میں ایک مرتبہ تفصیلی ملاقات کرتے، سیاسی اور معاشی حالات پر سیر حاصل گفتگو کرتے جو آئندہ کئی دن تک خبروں، اداریوں اور مضامین کی صورت میں اخبارات کی زینت بنتے جس نے تشنج کی کیفیت کو خاصی حد تک تبدیل کیا مگر ارباب حل وعقد اس کیفیت کو پسند نہ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 28 فروری 1971ء کو قومی اسمبلی کے مجوّزہ اجلاس منعقدہ یکم مارچ 1971ء کو بھٹو کی ٹانگیں توڑنے کی دھمکی پر منسوخ کردیا گیا۔ ان کی یہ دھمکی دراصل ملی بھگت تھی۔ اس موقع پر یہ محسوس ہوا کہ بنگالیوں کو اقتدار سے محروم رکھنے کی سازش کھل کر سامنے آرہی ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے دانشمندی اور مصالحانہ انداز کے تحت گورنر ہاؤس ڈھاکہ جاکر گورنر وائس ایڈمرل ایس ایم احسن، لیفٹیننٹ جنرل یعقوب اور میجر جنرل راؤ فرمان علی سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھے اجلاس کی نئی تاریخ دے دو بصورتِ دیگر میں بنگالیوں کے غم و غصے کو نہیں روک سکوں گا۔ مجیب کی اس خواہش پر بھٹو کے انکار نے پانی پھیر دیا کیونکہ اندرون خانہ بنگالیوں کے احتجاج کو آرمی ایکشن سے کچلنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

افراتفری، احتجاج اور جلاؤ گھیراؤ کے شعلے اس تیزی سے بھڑکے کہ صاحبزادہ یعقوب خان نے استعفاء دے دیا۔ 7 مارچ 1971ء کو جنرل ٹکا خان ڈھاکہ پہنچے تو حالات اتنے ابتر تھے کہ کوئی جج ان سے حلف لینے تک کو تیار نہ تھا۔ اسی عرصے میں جنرل یحییٰ اور ذوالفقار علی بھٹو اپنے رفقاء کے ہمراہ گتھی کو سلجھانے ڈھاکہ آئے مگر معاملات الجھتے چلے گئے۔ 23 مارچ آتے آتے حالات اتنے ابتر ہوئے کہ مشرقی پاکستان کے تمام سرکاری دفاتر پر بنگلہ دیشی پرچم لہرایا گیا اور پاکستان کے پرچم کی بے حرمتی کی گئی۔ برطانوی اور روسی قونصل خانوں پر بھی بنگلہ دیشی پرچم لہرانے سے بین الاقوامی سازش منظر عام پر آگئی۔ 25 مارچ کی رات وہ تاریخ ساز فیصلہ ہوا جو مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے مترادف ثابت ہوا۔ جنرل ٹکا خان نے سخت فوجی ایکشن شروع کیا، ڈھاکہ یونیورسٹی سے آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ ادھر مارشل لاء ہیڈکوارٹر سے مزید طاقت استعمال کرنے کے احکامات جاری ہوتے رہے۔ مجیب الرحمٰن اور دیگر عوامی لیگی رہنماؤں کو گرفتار کرکے عوامی لیگ کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ جنرل ٹکا خان نے فوجی انداز میں معاملات کو حل کرنے کے لیے عام شہریوں کے قتل عام سے بھی دریغ نہ کیا۔ باغی کرنل عثمانی اس فوجی مداخلت کے مقابلے کے لیے تیار تھے۔ ادھر بھارت سے اسلحہ ٹرینوں کے ذریعے آتا رہا۔ مغربی بنگال میں تربیت یافتہ مکتی باہنی اور ایسٹ بنگال رائفلز مقابلے پر اتر آئیں۔ پاکستانی فوج کے ساتھ ''الشمس'' اور ''البدر'' کے نوجوان بھی جام شہادت نوش کررہے تھے۔ سیاسی فیصلوں کے بجائے جنگی حکمت عملی اختیار کی گئی۔



آخری ہتھیار کے طور پر ڈاکٹر اے ایم مالک کو گورنر اور لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کو مشرقی کمان کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ حالات ابتری کی حدیں پار کر چکے تھے۔ 22 نومبر کو بھارت کی فوجیں مشرقی پاکستان میں داخل ہو چکی تھیں۔ 3 دسمبر کو علانیہ جنگ چھڑ گئی۔ گورنر ڈاکٹر مالک نے اسلام آباد آ کر حالات سے آگاہ کیا، مدد چاہی مگر ناامید ہو کر ڈھاکہ لوٹ گئے۔ جنرل نیازی اور ڈاکٹر مالک سیاسی اور فوجی صورتحال سے آگاہ کرتے رہے مگر اسلام آباد کے ایوانوں سے دعائیں دی جاتی رہیں۔ جب ڈھاکہ میں گورنر ہاؤس تباہ ہو گیا تو ڈاکٹر مالک نے اپنی کابینہ کے ساتھ ہلال احمر (ریڈ کراس) سے پناہ حاصل کی۔ بھارتی فوجیں ڈھاکہ کے نواح تک آ پہنچیں۔ جنرل نیازی نے امریکی قونصل جنرل اور دیگر عالمی اداروں کے تعاون سے بے گناہ غیر بنگالیوں اور محصور افواج کو بچانے کے لیے 16 دسمبر کو لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

اگر ہم سقوط ڈھاکہ پر غور کریں تو یہ ایک طرف فوجی شکست اور سیاسی عمل کی ناکامی تھی تو دوسری طرف قومی سطح پر بااثر سیاسی قوتوں کی خواہش اور بین الاقوامی سیاسی بازی گروں کی سازش تھی جس کا ایک پہلو عالمی طور پر یہودیوں کا اس سازش میں شریک ہونا تھا جو پاکستان کو عربوں کی حمایت کی سزا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ روس جس طرح یکا یک کھل کر بھارت کی مدد کے لیے میدان میں آ گیا اس کے مقابل پاکستان کے بہی خواہ چین اور امریکہ کی طاقتیں اس جارحیت کو عالمی جنگ کا خطرہ مول لیے بغیر نہ روک سکتی تھیں اور نہ اس کے لیے وہ تیار تھیں۔

المیہ مشرقی پاکستان تہذیبی، لسانی اور جغرافیائی فرق کا ایک اظہار تھا تو معاشی استحصال، عدم مساوات اور سماجی سطح پر اختیار کردہ غیر معقول رویوں کا ردعمل بھی اور درحقیقت یہ اس منظم شاطرانہ ذہنیت، بددیانتی اور اقتدار پر تسلط کی حریصانہ خواہشوں کا منطقی انجام تھا جو مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ہوس اقتدار کے پجاریوں نے تقریباً پچیس برس تک برقرار رکھیں۔ یہ محض تصویر کا ایک رخ ہے۔ اس وقت مصائب کے دور میں ایسے بنگالی بھی تھے جو پاکستان کے حامی اور وہ بہاری بھی جو غیر بنگالی کہلاتے تھے۔ فوج تو قیدی بنا کر بھارت لے جائی گئی مگر ان دونوں گروہوں کے ساتھ سفاکانہ وحشت و سربریت کا وہ بازار گرم کیا گیا جو تاریخ کا ایک رستا ہوا زخم ہے۔ بہاری تو آج بھی ڈھاکہ کے کیمپوں میں پاکستان سے حب الوطنی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ رہی بھارتی قید میں فوج کی بات تو شملہ معاہدے کی بھارت نواز شرائط کے تحت اس کی رہائی عمل میں آئی۔

اگر ان بنگالیوں کا حال جاننا چاہیں جو محبّ وطن پاکستانی تھے اور جن کی تمام تر ہمدردیاں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کی بقاء و سالمیت کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے تھیں تو انھیں عوامی لیگ کی بھارت نواز حکومت نے کبھی معاف نہ کیا۔ وہ آج بھی زیر عتاب ہیں، عرصۂ حیات ان پر تنگ ہے، قید و بند ان کا مقدر اور سوئے دار پر جھول کر جام شہادت پانا ان کی تقدیر ٹھہرا، حالانکہ شملہ معاہدے کی رو سے جنگی جرائم کا باب بند کر دیا گیا تھا مگر آج بھی جب محبّ وطن پاکستانی بنگالیوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے جیسا کہ حال ہی میں ایک سیاسی جماعت BNP کے رہنما صلاح الدین قادر اور جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے جنرل سیکرٹری علی احسن مجاہد کو پاکستان سے وفاداری کے جرم میں تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ پاکستان کے دفتر خارجہ کی طرف سے بھرپور احتجاج اور شملہ معاہدے کی یاددہانی اچھی بات ہے مگر ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

ان حقائق کے بعد بھی ہم اپنے دائمی اور ازلی دشمن بھارت کو دوست سمجھیں تو یہ ایک ایسا گناہ ہوگا جس کی معافی ممکن نہیں۔ ہمارے کچھ بہی خواہ بھارت کو دوست جان کر اس سے بغل گیر ہونا چاہتے ہیں تو وہ یہ سمجھ لیں کہ نئے دور کے ''سیواجی'' اپنی آستینوں میں چھپے خنجر لیے ہمیں آزمانے اور پیٹھ میں گھونپنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ ہاں! ان حالات سے گزرنے کی ایک راہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہم غیرت ملی کا عملی ثبوت دے کر دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے خوفزدہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں کیونکہ برہمنی سامراج کمزور کو تو ہڑپ کر جاتا ہے مگر طاقتور کو دیوتا بنا کر پوجتا ہے، اس لیے ہمارا انتخاب اگر ماضی میں آزادی کی راہیں تھیں تو مستقبل میں عزت کی موت ہی ہو سکتی ہے اور الحمدللہ ہمارے سائنسدانوں نے ایٹم بم کی تیاری کے ذریعے بھارتی جارحیت کو لگام ڈال دی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھنے کے بجائے ایٹمی ہتھیاروں کو اپنی حفاظت کے لیے استعمال کرنے کا حوصلہ پائیں۔



ابو حمنہ ذکاء اللہ سلیم حفظہ اللہ

کلاس فیلو دوست کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا

چینی نژاد شیا چونگ کے قبولِ اسلام کی کہانی.....خود ان کی زبانی

ماہنامہ ضیائے حدیث میں نومسلم احباب کے انٹرویوز کا سلسلہ ستمبر 2015ء سے شروع کیا گیا۔ جس کے مقاصد یہ ہیں کہ مسلمانوں کے ذہن میں اسلام کی قدر و منزلت بیٹھ جائے کہ ان کے پاس کس قدر عظیم دولت پہلے سے موجود ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں کو دعوت دینے کے طریقۂ کار اور اسلوب کا اندازہ ہو۔ اور وہ دعوت کے میدان میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔ اور ساتھ ہی رسمی مسلمانوں میں اسلام کو اپنانے کا جذبہ بیدار ہو۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی سربلندی کی تمام کوششوں کو بارآور فرمائے۔ آمین

چینی نژاد نومسلم داؤد نماز باجماعت (بالخصوص نمازِ فجر) کا پابند، خوش اخلاق اور ایک تاجر ہونے کے ناطے حلال وحرام کے بارے میں نہایت محتاط نوجوان ہے، اس کی داستانِ قبولِ اسلام قارئین کے پیش خدمت ہے۔

ضیائے حدیث السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

داؤد وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضیائے حدیث انٹرویو کے لیے وقت دینے کا بہت شکریہ۔ انٹرویو کی ابتدا آپ کی چند بنیادی ذاتی معلومات سے کرتے ہیں۔ سب سے پہلے آپ اپنا پیدائشی نام بتائیے۔

داؤد میرا پیدائشی نام Xiaocong (شیاچونگ) ہے۔

ضیائے حدیث آپ کی عمر کتنی اور تعلیمی قابلیت کیا ہے؟

داؤد میری عمر اس وقت 28 سال ہے اور میں اکنامکس میں بی۔اے کی ڈگری کا حامل ہوں۔

ضیائے حدیث آپ کا مشغلہ کیا ہے؟

داؤد میں اپنا ذاتی کاروبار چلاتا ہوں جو کہ انٹرنیٹ پر موبائل فون اور اس کی ضروریات کی خرید و فروخت سے متعلق ہے۔

ضیائے حدیث آپ نے اسلام کب قبول کیا؟

داؤد جب میری عمر پندرہ سال تھی۔

ضیائے حدیث اس عمر میں چائنہ میں رہتے



ہوئے اسلام کا تعارف کیسے ہوگیا؟

داؤد میں دراصل دس سال کی عمر میں برطانیہ میں آ گیا تھا، سکول کی تعلیم بھی یہیں حاصل کی اور سیکنڈری سکول کے آخری دنوں میں اسلام کی طرف رجحان پیدا ہوا۔

ضیائے حدیث کیا آپ کو سکول میں کسی ٹیچر یا کلاس فیلو نے اسلام کی دعوت دی؟

داؤد نہیں، مجھے باقاعدہ کسی نے اسلام کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ میں اپنے ایک مسلمان کلاس فیلو دوست کے اخلاق اور اس کی گفتار سے متاثر ہوکر اسلام کی طرف مائل ہوا تھا۔

ضیائے حدیث تب تو آپ کی داستان نہایت دلچسپ ہوگی۔ ذرا اس کی تفصیل بتلائیے؟

داؤد میرا ایک دوست جس کا نام ذوالکفل تھا، جو کہ اصلاً الجزائر سے تعلق رکھتا تھا، نہایت خوش اخلاق اور سخی دل تھا۔ میں یا کوئی اور کلاس فیلو کبھی اس سے ادھار پیسے لے لیتے تو وہ نہ یہ کہ واپسی کا مطالبہ نہ کرتا بلکہ ادھار واپس لینے سے انکار کر دیتا اور کہتا کہ ہمیں اس قسم کا تعاون تو ایک دوسرے سے ضرور کرنا چاہیے۔ اس کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس نے گفتگو یا معاملات میں کبھی مسلمان اور غیر مسلم کلاس فیلوز میں فرق نہیں کیا تھا۔ اس کی اس خوش اخلاقی اور ہمدردانہ فطرت سے متاثر ہوکر میں نے اسے اپنا سب سے قریبی دوست بنالیا۔ نتیجتاً ہم سکول میں دورانِ وقفہ مل کر کھانے کی خریداری کرتے۔ اگر کبھی میرے پاس پیسے نہ ہوتے تو وہ مجھے اپنے پیسوں سے کھانا خرید کر دیتا۔ اسی طرح ہم فٹ بال بھی اکٹھے ہی کھیلتے۔ اس کی ایک بات جو میرے لیے تعجب کا باعث تھی وہ یہ کہ وہ اکثر وبیشتر کاموں سے پہلے بسم اللہ پڑھا کرتا تھا۔ لکھنے کی بات ہو یا کھانا کھانے کی، فٹ بال کھیلنے کی ہو یا کوئی اور کام کرنے کی، وہ بسم اللہ پڑھ کر کام شروع کرتا۔ میرے استفسار پر وہ مجھ سے کہتا کہ یہ God Rememberance (اللہ کو یاد کرنے) کا ایک طریقہ ہے جس سے کام آسان اور بابرکت ہوجاتا ہے۔ میں اس کی اس بات پر خاص دھیان نہ دیتا بلکہ یہ سمجھتا کہ جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کا نام بطور تکیہ کلام لیتے ہیں اسی طرح مسلمان اللہ کا نام لے کر اپنے کام کا آغاز کر دیتے ہیں۔ ورنہ کام کی آسانی یا برکت سے اس کا کیا تعلق، چنانچہ ایک روز میں اور میرا دوست ذوالکفل فٹ بال کھیلنے سے قبل اس کی مشق کر رہے تھے کہ ہم نے طے کیا کہ ہم دونوں تین تین مرتبہ فٹ بال کو کِک لگا کر ہدف تک پہنچائیں گے۔ سب سے پہلے میں نے Jesus Bless me (عیسیٰ علیہ السلام مجھے برکت دیں) کہہ کر کِک لگائی تو میرا نشانہ خطا ہوگیا۔ میرے دوست نے کہا کہ اب میں بسم اللہ پڑھ کر کِک لگاتا ہوں تم دیکھنا۔ چنانچہ اس کا نشانہ بالکل درست رہا۔ میں نے دوسری اور تیسری مرتبہ بھی پہلی بار کی طرح کیا مگر ہر بار مجھے ناکامی ہوئی اور ہر بار میرے دوست کو کامیابی ملی۔ اس سے میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میرا مسلمان دوست جس خدا کا نام لے کر کام کرتا ہے وہ یقیناً میرے خدا سے زیادہ طاقتور ہے۔ پھر میں نے اس سے اس کلمہ ''بسم اللہ'' کی تفصیل پوچھی اور اس نے وضاحت کے ساتھ مجھے بتایا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کے عقیدہ کی وضاحت بھی کر دی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا، دجال کی آمد اور عیسیٰ علیہ السلام کا اسے قتل کرنا ان سب چیزوں کو ایک خوبصورت کہانی کے انداز میں جب میرے دوست نے مجھے بتایا تو میری اسلام میں دلچسپی بڑھ گئی۔

ضیائے حدیث آپ کا اصل تعلق تو چین سے تھا تو پھر آپ کا عیسائی عقائد ونظریات کا حامل ہونا تو لائق تعجب ہے کیونکہ چینی عوام کی اکثریت تو بدھ مت یا بت پرست ہے؟

داؤد میرے والدین تو واقعی بدھ مت تھے مگر میں چونکہ چھوٹی عمر میں برطانیہ میں آ گیا تھا اور یہیں سکول کی تعلیم حاصل کی اس لیے اسی ماحول میں ڈھل کر عیسائی نظریات اپنا لیے لیکن اس کے باوجود میرا دل کبھی اس بات پر مطمئن نہیں ہوا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانا جائے۔ شاید اسی لیے عیسائیت کو ترک کرنا میرے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

ضیائے حدیث آپ بتا رہے تھے کہ آپ کے دوست نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جب تفصیل سے بتایا تو آپ کی دلچسپی اسلام میں بڑھ گئی۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا اور آپ نے اسلام کیسے قبول کیا؟

داؤد میرے دوست نے جب میری دلچسپی کو بھانپ لیا تو اس نے آہستہ آہستہ مجھے اسلام کے دیگر محاسن کے بارے میں بتانا شروع

کردیا، بالآخر ایک روز میں اس کے گھر کھانے پر مدعو تھا کہ جہاں میں نے اس سے کہہ ڈالا کہ میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوا اور مجھے اپنے ساتھ برمنگھم کی ایک معروف مسجد ''امانہ'' میں لے گیا جہاں میں نے حاضرین کے سامنے کلمہ پڑھا۔

ضیائے حدیث الحمدللہ! اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ آپ کے دوست کا اخلاق و کردار تھا؟

داؤد جی بالکل! اس کا ہمدردانہ رویہ، خیرخواہانہ سلوک اور اس کے ساتھ ساتھ ایک طویل صبر۔

ضیائے حدیث صبر کیسے؟

داؤد صبر اس طرح کہ اس نے ہمیشہ مجھے اپنے اخلاق سے متاثر کیا اور کبھی اسلام قبول کرنے پر مجھے مجبور نہیں کیا۔ حتی کہ میں نے خود فیصلہ کیا اور بذات خود اس سے کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ اس کا اخلاق دراصل ایک بنیاد تھا اور پھر اس کے بعد دیگر چیزیں۔ اسی لیے تو میں اس کی بتائی ہوئی سب باتوں کو مانتا گیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ میرا ہمدرد ہے اور مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

ضیائے حدیث کیا آپ کا اس دوست سے ابھی بھی رابطہ ہے؟

داؤد جی! ہم تب سے ہی ایک دوسرے کے قریبی دوست ہیں۔

ضیائے حدیث کیا آپ نے اسلام قبول کرنے سے قبل قرآن مجید یا کسی اور کتاب کا مطالعہ کیا تھا؟

داؤد نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں فطری طور پر مطالعہ کا شوقین نہیں ہوں بلکہ مطالعہ کرنے سے جان بچاتا ہوں۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر میرا دوست مجھے اسلام سے متعلق کوئی کتاب پڑھنے کا کہتا تو میں قطعی طور پر اسے قبول نہ کرتا۔ یہ تو محض اللہ کا فضل تھا کہ اس نے میرے مقدر میں ہدایت لکھی تھی اور اس کا ذریعہ میرے دوست کے اخلاق کو بنادیا۔

ضیائے حدیث اگر آپ کو مطالعہ کا شوق نہیں تھا تو پھر آپ نے اسلام کے بعد ارکانِ اسلام اور مبادیات اسلام کا علم کیسے حاصل کیا؟

داؤد اس کی ایک طویل تفصیل ہے۔ میں نے جب اسلام قبول کیا تب میں سیکنڈری سکول کے آخری سال میں تھا۔ قبولِ اسلام کے کچھ ہی عرصہ بعد میں کالج میں داخل ہوگیا جہاں مجھے نئے کلاس فیلوز سے واسطہ پڑا، انھی دنوں امریکہ میں 11 ستمبر کا واقعہ رونما ہوا تھا۔ اس حادثے کے نتیجے میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرح مجھے بھی بسا اوقات اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غیرمسلموں کی طرف سے نازیبا کلمات سننے پڑتے تھے۔ میں چونکہ ابھی نیا نیا مسلمان ہوا تھا، اسلام کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا، کسی کے کسی اعتراض کا جواب نہیں دے سکتا تھا اس لیے اسلام پر عمل کرنے سے گریزاں تھا۔ یعنی میں اپنی سمجھ کے مطابق دوست احباب کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ میں سخت قسم کا یا سختی سے اسلام پر عمل کرنے والا مسلمان نہیں ہوں۔ دو سال کالج میں اسی طرح محض نام کا مسلمان بن کر رہا اور پھر اس کے بعد یونیورسٹی چلا گیا۔ یونیورسٹی کا ماحول کالج سے بھی دشوار تھا اور چونکہ یونیورسٹی میں پڑھائی کا بوجھ بھی زیادہ ہوتا ہے اس لیے یونیورسٹی کے چار سال بھی اسی طرح گزر گئے۔

ضیائے حدیث کیا اس دوران میں آپ کا رابطہ اپنے دوست سے نہیں رہا جس کے ذریعے سے آپ مسلمان ہوئے تھے؟

داؤد اس کے ساتھ رابطہ تو رہا لیکن وہ چونکہ کسی دوسرے کالج اور پھر اس کے بعد یونیورسٹی میں زیرتعلیم تھا اس لیے پہلے جیسا ملاقاتوں کا تسلسل نہ رہ سکا۔ اگر میں اسی کے ساتھ ایک ہی کالج یا یونیورسٹی میں ہوتا تو شاید معاملہ اس سے مختلف ہوتا۔

ضیائے حدیث یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے اسلام کے بارے میں کیسے سیکھا؟

داؤد میں یونیورسٹی سے فراغت پاکر کچھ عرصہ کے لیے اپنے والد کے بزنس میں تعاون کی غرض سے چین واپس چلا گیا تھا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ وہ بزنس نہ چل سکا جس کے نتیجے میں میں نے برطانیہ آکر ایک نیا بزنس شروع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی دوران یونیورسٹی دور کے ایک مسلمان دوست کا ایک ای میل مجھے موصول ہوا جس میں اس نے محض میرا حال احوال دریافت کیا۔ میں نے اسے جواباً ای میل بھیجا تو اس نے مجھ سے برطانیہ آنے کے بارے میں پوچھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں برطانیہ آنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں تو اس نے مجھے پیشکش کی کہ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ میرے گھر میں ہی ٹھہر سکتے



ہو، یہ دوست اصلاً یمنی تھا اور ان دنوں اس کے والدین کچھ مہینوں کے لیے یمن گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے اس کی پیشکش کو قبول کیا اور واپس برطانیہ چلا آیا۔ حسن اتفاق یہ کہ پہلے دوست کی طرح یہ بھی بہت سخی دل تھا۔ اس نے کبھی کھانے وغیرہ کے پیسے مجھ سے نہیں لیے تھے۔ کہیں جانا ہوتا تو مجھے اپنی گاڑی میں ساتھ لے جاتا اور مجھ سے سفری اخراجات کا مطالبہ بھی نہ کرتا۔ میں ہمیشہ تمنا کرتا ہوں کہ کاش مجھ سمیت سبھی مسلمان اس اخلاق کے حامل ہوجائیں۔ غیر مسلموں میں ایک دوسرے پر اس طرح اپنا مال صرف کرنے کا تصور تک نہیں ہے اور اگر مسلمان اچھے اخلاق اور معمولی سی سخاوت کا مظاہرہ کریں تو یہ بات غیر مسلم لوگوں کے لیے بہت موثر ثابت ہوتی ہے۔

ضیائے حدیث اس دوست کا نام کیا تھا؟

داؤد اس کا نام اسماعیل تھا، اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ نماز کا پابند تھا۔ اس کا گھر چونکہ مسجد سے دور تھا اس لیے وہ اکثر وبیشتر گھر پر ہی نماز ادا کیا کرتا تھا اور میں اسے نماز پڑھتے دیکھتا تھا۔ قابل تعجب بات یہ ہے کہ اس نے کبھی مجھ پر نماز پڑھنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالا تھا، بالخصوص نمازِ فجر کے لیے خود بیدار ہوتا لیکن مجھے نہیں اٹھاتا تھا۔ البتہ مجھے گاہے گاہے نصیحت ضرور کیا کرتا تھا۔ ایک روز اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے ساتھ کھڑا ہوکر نماز پڑھ کے دیکھوں کہ کیسا محسوس ہوتا ہے، چنانچہ میں نماز میں اس کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور جیسے جیسے وہ حرکات وسکنات کرتا گیا میں بھی اس کے پیچھے ویسے ہی کرتا گیا، سچی بات ہے مجھے نماز میں بہت روحانی سکون ملا۔

ضیائے حدیث کیا آپ نے پہلی بار نماز اسی روز پڑھی تھی؟

داؤد جی ہاں! جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں بس نام کا مسلمان تھا، نماز یا دیگر شعائر اسلام کی ادائیگی کا میں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ میں نے جب پہلی بار نماز ادا کی اور اس سے دلی و روحانی سکون پایا، تب روزانہ ایک دو یا تین نمازیں پڑھنے لگا۔

ضیائے حدیث آپ نے تو اس سے پہلے کبھی نماز پڑھی نہیں تھی تو پھر نماز میں پڑھا کیا تھا؟

داؤد میں قیام، رکوع اور سجدے میں اپنی ہی زبان میں دعائیں کرتا گیا، پھر جب میں نے آہستہ آہستہ روزانہ چند نمازیں پڑھنا شروع کیں تب نماز کے اذکار ودعائیں یاد کیں، چند ہی روز کے بعد میں نے اپنے دوست سے خود ہی پوچھا کہ نماز فجر کا کیا وقت ہے تو اس نے حیرت سے استفسار کیا: کیا تم فجر کے وقت اٹھ سکوگے۔ میں نے کہا کہ ضرور! چنانچہ اگلے روز اس نے مجھے فجر کے لیے اٹھایا اور پھر اس کے بعد میں نے نماز کی پابندی شروع کردی۔

ضیائے حدیث آپ نے اس کے بعد اسلام کے بارے میں مزید کب اور کیسے سیکھا؟

داؤد میں چند ماہ تو صرف نماز سیکھ کر اسی کی پابندی کرتا رہا اس کے سوا کچھ سیکھا نہ عمل کیا، پھر جب میرے دوست کے والدین یمن سے واپس آنے والے تھے تب مجھے وہاں سے منتقل ہونا تھا۔ میں نے اپنی رہائش کے لیے کسی مکان یا فلیٹ وغیرہ کی تلاش شروع کی تو مجھے گرین لین مسجد سے کچھ ہی فاصلے پر ایک مکان کرایے پر مل گیا۔ چنانچہ میں نے مستقل طور پر مسجد آنا شروع کردیا اور یہاں کے دروس وخطبات کے ذریعے سے میں نے بہت کچھ سیکھا، اور اب بھی سیکھ رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود میری ہدایت ورہنمائی کے رستے ہموار کیے ورنہ میں بذات خود سیکھنے سکھانے کے معاملے میں بہت ڈھیلا ہوں۔

ضیائے حدیث آپ نے اسلام قبول کرنے اور پھر اس کے بعد اسے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے طویل سفر میں سب سے بڑا سبق کیا سیکھا؟

داؤد میں نے اس سارے تجربے سے یہ سیکھا ہے کہ نومسلم حضرات کو دین سیکھنے کے لیے اسی طرح تدریجی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جیسے ایک بچے کو۔ لہٰذا انھیں سکھانے والوں کو بہت زیادہ صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور کسی بھی شخص کے اسلام قبول کرنے پر اس سے وہ توقعات نہیں رکھنی چاہئیں جیسے کسی پیدائشی مسلمان سے ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ ایک نومسلم کے لیے اسلام کی خاطر اپنا دین، خاندان، ماحول، دوست احباب اور رہن سہن سب کچھ بہ یک وقت ترک کرنا آسان کام نہیں ہوتا اور اگر اس پر اسلام قبول کرتے ہی تمام تر اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے کا دباؤ ڈالا جائے تو وہ بددِل ہوسکتا ہے اور ایسا حقیقتاً ہوتا بھی ہے۔ بہت

سے لوگ محض اس وجہ سے اسلام سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

ضیائے حدیث آپ نے جب اسلام قبول کیا تو اپنے والدین کو اس کی اطلاع دی، اور اگر دی تو ان کا آپ کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟

داؤد جی میں نے اپنے والدین کو اس کی اطلاع دی اور ابتداءً ان کا رویہ خاصا سخت تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام بعض ایشیائی، خلیجی اور کچھ افریقی ممالک کا مذہب ہے کسی چینی باشندے کا اسلام قبول کرلینا ان کے لیے ناقابل تصور اور ناقابل برداشت تھا۔ اسی لیے جب انھیں میرے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی تو انھوں نے میرا نام خاندانی شجرۂ نسب سے نکال دیا۔ اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ چین میں ہر خاندان اپنا شجرہ نسب خود تحریر کرکے اسے باقاعدہ حکومت سے رجسٹرڈ کرواتا ہے اور پھر وہ رجسٹرڈ شدہ شجرہ نسب ہی آئندہ نسل کے لیے اس کے اپنے خاندان سے منسلک ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اب اس رجسٹریشن میں والدین چاہیں تو اپنے بچوں میں سے کسی کا نام حذف بھی کرسکتے ہیں۔ اس لیے ہماری فیملی کا شجرہ نسب جب رجسٹرڈ کروایا گیا تو میرا مذہب مختلف ہونے کی وجہ سے اس سے میرا نام حذف کردیا گیا۔ گویا میری آئندہ نسل کا چینی حکومت کی دستاویزات کے مطابق میرے والدین سے کچھ تعلق نہیں ہوگا بلکہ ان کا شجرہ نسب مجھ ہی سے شروع ہوگا۔

ضیائے حدیث سنا ہے کہ چین میں کسی گھرانے میں ایک سے زائد بچے کی پیدائش پر حکومت کی طرف سے ممانعت ہے۔ تو کیا آپ بھی اپنے والدین کے اکلوتے ہی بیٹے ہیں؟

داؤد نہیں! ہم چار بھائی ہیں اور میں سب سے بڑا ہوں۔ ایک بچے والا قانون چین کے شہری لوگوں کے لیے سخت ہے۔ دیہاتی علاقوں میں رہنے والوں کے لیے یہ سختی نہیں ہے۔ میرے والدین کا تعلق ایک دیہات سے ہے۔ اس لیے وہ اس قانون سے مستثنیٰ رہے۔

ضیائے حدیث کیا آپ نے اپنے والدین کو کبھی اسلام کی دعوت دی؟

داؤد میرے والد کا رویہ تو اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہے کہ ان سے بات کرنا بہت مشکل ہے مگر میری والدہ کچھ عرصہ قبل میرے پاس رہنے کے لیے برطانیہ میں آئیں تو میں نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان کے ساتھ میرے دو چھوٹے بھائی بھی تھے۔ میری مسلسل کوشش سے انھوں نے کلمہ تو پڑھ لیا الحمدللہ! مگر ابھی تک وہ اسلام پر مکمل طور پر عمل پیرا نہیں ہوئے۔ میں بسا اوقات سوچتا ہوں کہ شاید انھیں بھی اسلامی تعلیمات و احکامات پر عمل کرنے میں اتنا ہی وقت لگے جتنا کہ مجھے لگا تھا۔ میری والدہ نے جب کلمہ پڑھا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں اس سے زیادہ اب کچھ نہیں کرنا چاہوں گی۔ ان کا اشارہ دراصل اس بات کی طرف تھا کہ میں انھیں پنج وقتہ نماز کی ادائیگی پر مجبور نہ کروں لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ کلمہ پڑھنے کے کچھ ہی دنوں بعد انھوں نے خود ہی نماز کی پابندی شروع کردی۔ البتہ پردے اور حجاب کے معاملے میں وہ ابھی تک عدم اہتمام کا شکار ہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں پردے کا پابند بھی بنائے۔

ضیائے حدیث کیا آپ کے کسی بھائی نے بھی اسلام قبول کیا ہے؟

داؤد جی! مجھ سے چھوٹے بھائی نے میری دعوت پر اسلام قبول کرلیا تھا مگر مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد فوراً نماز اور روزے کی پابندی پر مجبور کرنا شروع کردیا۔ میرے دن رات کے مسلسل اصرار کی وجہ سے وہ اسلام کو اپنے لیے بہت بڑا بوجھ سمجھنے لگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسلام کو ترک نہیں کیا تاہم ابھی تک اس پر عمل کرنے کے لیے تیار بھی نہیں ہیں۔ اس کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے اور مجھے صبر وتحمل کے ساتھ اس کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ضیائے حدیث آپ کی والدہ اور بھائی کو اسلام قبول کیے ہوئے کتنا عرصہ ہوچکا ہے؟

داؤد تقریباً ایک سال پہلے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ پہلے میری والدہ نے پھر مجھ سے چھوٹے بھائی نے، پھر اس سے چھوٹے بھائی نے اور پھر میری ممانی نے اسلام قبول کیا۔

ضیائے حدیث اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ اور بھائیوں کو استقامت عطا فرمائے اور آپ کو نہایت حکمت اور تحمل کے ساتھ ان کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



پاکیزہ زندگی

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

خوبصورت اور پرسکون زندگی کی بنیادی حقیقت متوازن زندگی ہے تو پاکیزہ زندگی اس حقیقت کی روح ہے۔ انسانی فطرت طبعاً نجاست کو ناپسند کرتی ہے۔ رہن سہن کی جگہ ہو، کھانا پینا ہو یا لباس، صفائی انسان کے دل کو بھاتی ہے۔ صاف ستھرا جسم، معطر لباس اپنے لیے تو باعث طمانیت ہوتا ہی ہے دوسروں کے لیے بھی خوشگواری کا باعث بنتا ہے۔ انسان جس مقام پر بھی اپنا وقت کم یا زیادہ گزارتا ہے اس کی کارکردگی پر ماحول کے پراگندہ ہونے یا پرسکون ہونے سے واضح اثر پڑتا ہے۔

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ باسی کھانا ہو، میل کچیل پسینے کی بدبو والا جسم ہو، یا میلا لباس ہمیں پژمردگی کا احساس دلاتا ہے۔ نہادھوکر صاف ستھرا لباس پہننے اور خوشبو لگانے سے طبیعت ہشاش بشاش ہوجاتی ہے۔ جسم اور لباس دونوں ہی صاف ستھرے ہونا لازمی ہیں۔ گندے میلے بدبودار بدن پر شاہی لباس بھی پہن لیا جائے تو طبیعت میں بشاشت نہیں آسکتی، قیمتی عطر سے معطر لباس کے باوجود انسان اپنے بدن کے میل کچیل کو محسوس کرتا رہے گا۔ اسی طرح معطر پانی سے غسل بے کار ہے اگر گندا میلا بدبودار لباس ہی پہننا ہے۔ بدن اور لباس دونوں صاف ستھرے ہونا لازمی ہے۔

مومن کی زندگی محض صاف ستھری ہی نہیں ہوتی بلکہ پاک وصاف ہوتی ہے۔ پاک ہونا، صاف ستھرے ہونے سے افضل تر ہے۔ اور ایمان لانے کی شرائط میں شامل ہے۔ عموماً انسان صفائی پسند ہوتے ہیں لیکن مومن کے لیے پاکیزگی فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی زندگی کے ہر سانس سے منسلک ہے۔ وقت کا کوئی لمحہ، زندگی کا کوئی پہلو اس پاکیزگی سے مبرا نہیں ہوسکتا۔ مومن اور کافر ومشرک کے درمیان کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ہی واحد کسوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مشرک ''نجس'' ہے اگرچہ اس نے صفائی ستھرائی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے ہوں۔ گویا کہ پاکیزگی باطن سے تعلق رکھتی ہے۔ عقیدہ اور زندگی کا نظریہ شرک کی نجاست سے پاک ہوتو روح ہشاش بشاش ہوسکتی ہے۔ روح اللہ کا ''اَمر'' ہے۔ اللہ خود پاک ہے پاک چیزوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کے سب اوامر ونواہی پاکیزگی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ باطن کی پاکیزگی اخلاصِ نیت کے ساتھ مشروط ہے۔ افکار پاک ہوں گے تو اقوال بھی پاکیزہ ہوں گے اور انسان جو بولتا ہے وہی اس کے اعمال میں ڈھل جاتا ہے اور اعمال ہی کے عوض ہر انسان گروی رکھا ہوا ہے۔ بدن اور لباس دونوں کا صاف ہونا برابر اہمیت رکھتا ہے تاکہ انسان کے مزاج پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں۔ تن کی زینت اور پردہ پوشی لباس سے ہے۔ اسی طرح ہمارا بدن روح کا لباس ہے۔ بدن اور روح کی پاکیزگی بھی لازم وملزوم ہے۔ روح کی پاکیزگی مومن کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے اسی طرح جیسے کہ بدن اور لباس دونوں کا پاکیزہ ہونا اہم ہے۔ اگر انسان کا بدن اور جسم میلا ہے پسینے سے بھیگا ہوا تو ہے مگر ناپاک نہیں ہے۔ روح پر گناہوں کی میل نہیں ہے تو ایسا انسان مطمئن ہوگا اس لیے کہ اطمینان اور سکون روح کے اطمینان سے حاصل ہوتا ہے۔ اور روح کو اللہ رب العزت سے نسبت ہے۔

﴿فَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي﴾ اسی لیے قلب و روح کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی قرار ملتا ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی محبت ان لوگوں کے لیے واجب کردی جو پاک زندگی گزارتے اور رجوع الی اللہ کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ ظاہری نجاستیں پانی سے دور ہوتی ہیں۔ وضو، غسل سے انسانی جسم کا ہر عضو ناپاکی اور نجاست سے نجات حاصل کرلیتا ہے شرط یہ ہے کہ نیت محض صاف ستھرا ہونے کی نہ ہو بلکہ پاک ومطہر ہونے کی ہو۔ پاکی حاصل کرنے کے لیے پانی مطہر ہو، جہاں وضو یا غسل کیا جارہا ہو وہ جگہ پاک ہو، صابن میں ناپاکی کا شبہ نہ ہو۔ جو برتن استعمال ہوں وہ پاک ہوں۔ غرض پاکیزگی مومن ہونے کی لازمی شرط ہے۔ انسان کا روحانی وجود تقویٰ سے منسلک ہے۔ کافر ومشرک کا روحانی وجود بیمار و بے چین رہتا ہے۔ مادی وجود اگرچہ صحت کے تمام اصولوں پر پورا اترتا ہو۔ اسی طرح مومن و مسلم کا روحانی وجود تقویٰ کے پیمانے کے لحاظ سے معتبر قرار پاتا ہے۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ جس طرح ظاہری بدن طبعی کمزوریاں رکھتا ہے اور اس کو وضو اور غسل کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح بشری کمزوریوں کی بناء پر روح کو بھی غسل اور وضو کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور جب تک روح کی نجاست دور نہ کی جائے مومن بے قرار رہتا ہے۔ انسان کا اصل جوہر اس کی روح ہے جیسے کہ لباس زندہ وجود کا خاصہ ہے اسی طرح زندہ بدن کا خاصہ اس کی روح ہے۔

روح بھی بیمار اور ناپاک ہو جاتی ہے۔ اس کی بیماری کا علاج قرآن مجید میں ہے: ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ اس کی ناپاکی وہ گناہ ہیں جو سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ گناہ کبیرہ ہیں کچھ صغیرہ، کوئی حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں کوئی حقوق اللہ سے۔ ان گناہوں کی نجاست سے نجات ''توبۃ النصوح'' کے وضو اور رجوع الی اللہ کے غسل سے ملتی ہے۔ جب بدن اور لباس دونوں پاک صاف معطر ومطہر ہونے سے طبیعت ہشاش بشاش ہوتی ہے تو اپنی روح، اپنے باطن کی نجاستوں سے ہم غافل کیوں ہیں؟ دن رات گناہوں کی نجاست روح کو ناپاک کرتی رہتی ہے۔ جس طرح گندے بدن کی بدبو سے لباس بھی متاثر ہوتا ہے اسی طرح گناہوں کی نجاست سے جسم پر بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ روح کی طہارت میں تاخیر زندگی کے آخری لمحات شروع کردے جب روح کے وضو اور غسل کا موقع نہ رہے گا۔ جب قبر کے صندوق میں روح کا لباس (بدن) اہتمام سے دھونے (آخری غسل) کے بعد رکھ دیا جائے گا اور روح رب کے حضور حاضر کردی جائے گی۔ اپنے اصل وجود (روح) کو توبہ وانابت کے وضو اور غسل سے پاکیزہ کرنے اور اعضاء و جوارح کو اعمال صالحہ سے مزین کرنے کی مہلت تیزی سے ختم ہورہی ہے۔ جب تک دونوں وجود پاک ومطہر نہ ہوں گے مال یا اعمال کی کوئی نیکی یا عبادت قبول نہ ہوگی، اخروی کامیابی بارگاہ الٰہی میں قبولیت کے ساتھ مشروط ہے۔

بقیہ: روس کی شام پر چڑھائی

یقیناً ترکی یہ قطعاً پسند نہیں کرے گا۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ اب شام میں لڑائی کا سب سے بڑا مرکز حلب اور اس کے گردونواح کے علاقے بننے جارہے ہیں۔ عرب صحافتی ذرائع کے مطابق ایرانی پاسداران انقلاب ''القدس بریگیڈ'' کے سربراہ جنرل قاسم سلیمانی ایک ایسے وقت میں حلب پہنچے ہیں جب شامی علوی فورسز نے اپنے اتحادی شیعہ ملیشیا ''النجبا'' کی مدد اور روسی بمباری کے سائے میں حلب کے اکثر علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرلیا ہے۔ حال ہی میں فرانس نے بھی اندرونی حملوں کو جواز بنا کر شام پر چڑھائی شروع کردی ہے اور شامی مسلمان عورتوں اور بچوں سمیت سب کو اس میں بھسم کیا جارہا ہے۔ لگتا ہے جرمنی کے بعد اب شام کے ٹوٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ بہرحال جلد اس لڑائی کو اسی طرح ترکی کی سرحدوں کے اندر تک لے جایا جائے گا جس طرح اسلام دشمن طاقتیں اپنے گماشتوں کے ذریعے پاکستان اور السعودیہ العربیہ کی سرحدوں اور ان کے شہروں میں تاریخ کی بدترین Proxy and Terrorist War لڑ رہی ہیں۔

محترم قارئین! ایک بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ ترکی کے اسی راستے میں آگے جا کر ''دابق یا وامق'' نامی جگہ ہے، جہاں انسانی تاریخ کا سب سے ہولناک معرکہ (ملحمۃ الکبریٰ) لڑا جائے گا جس کے بعد اسلام اپنی حالت میں پوری دنیا میں غالب آجائے گا۔ قابل غور بات یہ ہے کہیں اسلام دشمن طاقتیں شعوری طور پر اس راستے کو روکنے کی کوششیں تو نہیں کرنے لگیں، کیونکہ مشرق وسطیٰ میں گزشتہ 36 سال سے لڑی جانے والی لڑائیوں میں امریکہ اور اس کے پس پردہ حواریوں اور جتھوں کا رول انتہائی مشکوک اور متنازع رہا ہے۔



فرانس اور روس کی شام پر چڑھائی... پس پردہ قوتیں کون؟

ابوضرار ملک

اگر ایک جانب اسلام دشمن طاقتیں انتہائی عیاری سے پاکستانی افواج کو کراچی سے لے کر بلوچستان اور شمالی علاقوں تک پھیلا کر جغرافیائی سرحدوں کے شاہینوں کی عسکری قوت کو منقسم کرنے کی بھیانک سازش کر رہی ہیں تو دوسری جانب یہ طاقتیں بھارت کو شہ دے کر اور کبھی افغانستان میں بیٹھے ہوئے بھارت نواز کرگسوں کے ذریعے مملکتِ اسلامیہ پاکستان کو مستقل بنیادوں پر مصروفِ پیکار رکھنے کی ناکام کوششیں کر رہی ہیں تاکہ وہ اپنے دیرینہ خلیجی دوستوں اور خاص طور پر السعودیہ العربیہ کو سنگین خطرات درپیش ہونے کی صورت میں کوئی فیصلہ کن کردار ادا نہ کر سکے۔ حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ اسلام دشمن منصوبے میں ہمارا ایک برادر پڑوسی ملک بھی بھارت کا ہمنوا بنا ہوا ہے۔ یہ منصوبہ بندی آج سے نہیں بلکہ کئی سال قبل کر لی گئی تھی۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ فہم وفراست سے عاری اور کرپشن کی گندگی میں لتھڑا ہوا ہمارا حکمران طبقہ اس گھناؤنی سازش کو ہرگز نہیں سمجھ سکا۔

اپنے اس شیطانی منصوبے کے تحت بالکل انھی خطوط پر الارض التوحید ''السعودیہ العربیہ'' کی پاک سرحد پر دہشت گرد حوثیوں کا فتنہ کھڑا کر کے الارض التوحید کو بھی مصروف کر دیا گیا ہے تاکہ وہ شام میں چار اطراف سے گھرے ہوئے مظلوم مسلمانوں اور عوامی اسلامی مزاحمت کاروں کی کھل کر سیاسی اور اخلاقی مدد نہ کر سکے۔ اور جب عرب افواج، دہشت گرد حوثیوں سے لڑتے لڑتے تھک ہار جائیں تب خطے میں اپنے تربیت یافتہ جتھوں کی مدد سے حرمین شریفین پر چڑھائی کر کے اپنی گھناؤنی ناپاک سازشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ حقیقت میں یمن اور خاص کر شام میں عوامی اسلامی مزاحمت کار اس پوزیشن میں آ گئے تھے کہ وہ کسی بھی وقت سفاک قاتل شامی صدر بشارالاسد اور اس کی حکومت کو چلتا کر دیں۔ عین اس موقع پر ہمارے ایک پڑوسی ملک کی مہربانی اور بشار الاسد علوی کی دعوت پر 30 ستمبر کو روس اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ پیغمبروں کی سرزمین (شام) پر چڑھ دوڑا۔

آزاد صحافتی ذرائع کے مطابق جب سے روس نے شدت پسند تنظیم ''داعش'' کی آڑ میں شام میں ننگی جارحیت کا ارتکاب کیا ہے اب تک ایک لاکھ سے زائد شامی بے گناہ مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور اور سینکڑوں کی تعداد میں



نہتے شامی مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ روسی اخبار ''یوگید نیفنی جرنل'' کے نائب مدیر الیگزنڈر گولٹز اور ''رائٹر'' کی تجزیاتی رپورٹس کے مطابق روسی فوج نے شام میں کیے گے 80 فیصد حملوں میں شدت پسند تنظیم (داعش) کے بجائے معتدل گروپوں کو نشانہ بنایا ہے۔ غیر ملکی میڈیا پر نشر ہونے والے ایک انٹرویو میں ترک ایوان صدر کے ترجمان ابراہیم قالن نے کہا ہے کہ ''روس شام میں اپنے حملوں میں داعش سے ہٹ کر اعتدال پسند مخالفین کو نشانہ بنا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ شام کی جنگ اب ایک علاقائی مسئلے سے نکلتے ہوئے خطے کے تمام تر ملکوں کو متاثر کرنے والے ایک پیچیدہ مسئلے کی صورت حال اختیار کر چکی ہے۔'' اسی طرح نیویارک کے یو این او کے ہیڈ کوارٹر میں روسی وزیر خارجہ سرگئی لاروف نے کہا کہ ہم شام میں تمام اہداف کا تعین شامی فوج کی مشاورت سے طے کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اعلیٰ روسی قانون ساز ایڈمرل ولادی میر کوموید یف نے کہا ہے کہ روسی رضا کار دستہ شام کی سرکاری فوج میں شامل ہو سکتا ہے۔ روس کی شام میں اس حد تک مداخلت پر عراقی عوام نے روسی صدر کو حاجی پوٹن کہنا شروع کر دیا ہے۔ ساتھ ہی روسی میڈیا کے مطابق روسی صدر پوٹن نے یمن اور لیبیا میں بھی مداخلت کا عندیہ دے دیا ہے۔ ایک ماہ قبل شام میں ہلاک ہونے والے جنرل حسین ہمدانی کے اہل خانہ سے ایرانی سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای کے مشیر برائے عسکری امور جنرل یحییٰ رحیم صفوی نے کہا کہ شام میں جاری جنگ کی قیادت ایران کے ہاتھ میں ہے۔ اور لڑائی میں ایرانی پاسداران انقلاب کی شمولیت نہایت اہمیت کی حامل ہے، اس کے علاوہ اسی دوران ایرانی فوج کے مزید دو فوجی افسروں روح اللہ قدرانی اور قدیر سلیق بھی مارے گئے ہیں۔

راقم کی رائے میں شدت پسند تنظیم (داعش) کی آڑ میں ایران، روس، عراق، حزب اللہ اور شامی علوی فورسز کے شام میں عوامی اسلامی مزاحمت کاروں پر حملے درحقیقت سعودیہ عربیہ کی ایک یقینی فتح کو شکست میں بدلنے کی ناکام کوشش ہے، جس میں امریکہ کی خاموشی ہی اس کے منافقانہ کردار کی عکاسی ہے۔'' کیونکہ شام کے نہتے اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کے حوالے سے مغربی دنیا کا کردار بھی خاصا مشکوک رہا ہے سوائے زبانی خرچ کے۔ الکفر ملۃ واحدۃ کے مصداق راقم کے اس مؤقف کی تصدیق روسی صدر پوٹن کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ ''12 اکتوبر کو روسی صدر ولادی میر پوٹن نے شام میں اپنی شرمناک مداخلت کا دفاع کرتے ہوئے ریاستی ٹی وی چینل (ٹی وی ماسکو) کو ایک انٹرویو کے دوران میں کہا کہ اس وقت بشار کی حکومت شدید دباؤ میں تھی جبکہ عسکریت پسند دمشق کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں دمشق پر قبضہ نہ ہو جائے۔''

بین الاقوامی مبصرین اور دفاعی تجزیہ کار روس کے شام کی جنگ میں براہ راست حصہ لینے کو ڈوبتے ہوئے ایران کے لیے بہت بڑی کامیابی قرار دے رہے ہیں اور اس کو مشرق وسطیٰ میں ایرانی اثر و رسوخ بڑھانے کا ایک سبب بھی ٹھہرا رہے ہیں۔

اسی طرح AFP کی رپورٹ کے مطابق روسی لڑاکا طیاروں کی بمباری کی آڑ لے کر روسی اتحادیوں نے حلب کے جنوب میں پیش قدمی کی ہے اور اس کے نواحی گاؤں اثتیین خدر پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ جبکہ اسی دوران میں حلب میں عوامی اسلامی جنگجوؤں کے زیر قبضہ علاقوں میں درجنوں فضائی حملے کیے گئے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں سے ترکی کی سرحد محض 45 کلومیٹر دور ہے۔

راقم کی رائے میں جس طرح پاکستان کو بھارت اور افغانستان کے ذریعے، السعودیہ العربیہ کو یمن کے ذریعے مصروف کیا گیا ہے بالکل اسی طرز پر اب روسی اتحادی فورسز کے ذریعے ترکی کو مصروف کر دیا جائے گا۔ کیونکہ سعودیہ کے علاوہ ترکی ہی وہ دوسرا ملک ہے جو کھل کر شام کے مظلوم مسلمانوں اور عوامی اسلامی مزاحمت کاروں کی سیاسی اور اخلاقی مدد کر رہا ہے اور ہر بین الاقوامی پلیٹ فارم پر سفاک بشار اور اس کے حمایتیوں کی مخالفت کرتا ہے جو ان طاغوتی طاقتوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔

ترکی کی سرحدوں پر روسی اتحادی فورسز کا آ کر بیٹھ جانا دراصل ایک جانب ترکی کو عوامی اسلامی مزاحمت کاروں کی مدد سے بزور قوت روکنا ہے تو دوسری جانب سرحد پر بیٹھ کر شامی کردوں کے ذریعے آئے روز ترکی کے اندر دہشت گرد کارروائیوں کا جال بچھانا ہے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 45 پر



قسط: ②

عبدالمالک مجاہد

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ... مرادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ارقم بن ابی ارقم مخزومی کے گھر میں اسلامی تاریخ کا بہت ہی اہم واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ مسلمانوں میں بے حد خوشی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں کہ عمر اب مسلمان ہو چکے ہیں۔ عمر اب وہ عمر نہیں جو چند گھنٹے پہلے تھے۔ اب وہ فاروق اعظم بن چکے ہیں۔ ان کی طبیعت جوشیلی تو تھی ہی، اسی لیے سوچا کہ اسلام لانے کی خبر سب سے پہلے کس کو دوں؟ خیال آیا کہ اسلام کا کوئی دشمن ابوجہل سے بڑھ کر نہیں۔ یہ رشتے میں عمر کا ماموں لگتا تھا۔ سگا ماموں تو نہیں مگر عمر کی والدہ حمنہ چونکہ بنومخزوم سے تھی اس لیے وہ ذرا دور سے ماموں ہی لگتا تھا۔ دار ارقم سے ابوجہل کا گھر زیادہ دور نہ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ بڑے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ابوجہل کے گھر پہنچتے ہیں۔ دروازہ بند تھا، انھوں نے دروازے پر دستک دی۔ ابوجہل کو کہیں سے اطلاع مل چکی تھی کہ عمر آج ننگی تلوار لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے نکلا ہوا ہے۔ وہ کسی بڑی خبر کا منتظر تھا۔ عمر کی آواز عام لوگوں کی نسبت کافی زیادہ بلند تھی۔ دستک دینے کا انداز بھی منفرد تھا۔ غیر معمولی قد و قامت اور بے پناہ قوت رکھنے والی یہ شخصیت جب چلتی تو دور دور تک معلوم ہو جاتا کہ عمر آ رہا ہے۔ ابوجہل تیزی سے اٹھا، دروازہ کھولا، دیکھا کہ سامنے عمر کھڑا ہے۔ عمر گویا ہوئے: ماموں! میں تمھیں بتانے آیا ہوں کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین حق کو قبول کر لیا ہے۔ میں دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آیا ہوں۔ میں ان کی نبوت کی تصدیق کرتا ہوں۔ ابوجہل پر یہ کلمات پہاڑ بن کر گرتے ہیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا جواب دے۔ اس نے زور سے یہ کہتے ہوئے دروازہ بند کر لیا کہ جاؤ تم اور تمھارا اسلام دونوں غارت ہوں۔

عمر بن خطاب کے مشن کا ایک حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن اب جل بھن رہا ہے۔ وہ یقیناً اپنے ہاتھوں کو کاٹ رہا ہوگا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے مشن کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے اسلام لانے کا واقعہ مکہ میں جلد از جلد مشہور ہو جائے۔ وہ سوچ رہے ہیں، لوگوں سے پوچھ بھی رہے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں بات کو جلد از جلد مشہور کرنے میں سب سے بڑھ کر مہارت رکھنے والا شخص کون ہے جو پروپیگنڈا کا ماہر ہو؟ ذہن میں جمیل بن معمر جمحی کا نام آیا۔ یہ شخص بات کا بتنگڑ بنانے میں بڑا ماہر تھا۔ عمر بن خطاب کا رخ اب جمیل کے گھر کی طرف ہے۔ وہ تیز تیز قدموں سے جمیل بن معمر کے گھر پہنچتے ہیں۔ جمیل سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: جمیل! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔ جمیل



نے سنا تو اس نے پوری قوت سے چیخ ماری۔ ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اپنی چادر گھسیٹتا ہوا بیت اللہ شریف کی طرف بھاگا۔ وہ شور مچاتا ہوا جارہا ہے: لوگو! عمر بے دین ہوگیا ہے۔ عمر صابی ہوگیا ہے۔ بیت اللہ شریف میں پہنچا تو دیکھا کہ سرداران مکہ بیت اللہ شریف میں اپنی ٹولیاں بنا کر بیٹھے ہیں۔ ان کا کام ہی یہی تھا کہ سارا دن حرم کے صحن میں اپنی اپنی ٹولیاں اور منڈلیاں بنا کر بیٹھے رہتے اور گپیں ہانکتے رہتے۔ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے۔ آج بھی وہ بیٹھے باتیں کررہے تھے کہ ان کے کانوں میں جمیل بن معمر کی آواز پڑی: لوگو، سنو! خطاب کا بیٹا عمر بے دین ہوگیا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے عمر بن خطاب بھی آرہے ہیں۔ وہ جمیل کی بات کی تردید کررہے ہیں۔ لوگو سنو! جمیل غلط کہتا ہے میں صابی نہیں ہوا بلکہ میں نے تو دین اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے تو صرف یہ گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ لوگوں نے سنا تو اپنی ٹولیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور عمر پر حملہ کردیا۔ وہ اگر تعداد میں زیادہ ہیں تو ادھر عمر ہیں جو شجاعت اور بہادری میں یکتا ہیں۔ دونوں طرف سے مقابلہ جاری ہے۔ لوگ ان کو مار رہے ہیں اور وہ لوگوں کو مار رہے ہیں۔ یہ مقابلہ جاری رہتا ہے حتی کہ مکہ کا ایک بڑا سردار عتبہ بن ربیعہ عمر کو مارنے کے لیے آگے بڑھا تو سیدنا عمر نے اسے پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور لگے اسے مارنے .....انھوں نے اپنی انگلیاں اس کی آنکھوں میں زور سے چبھوئیں تو عتبہ درد کے مارے چلانے لگا۔

عمر فاروق ہر چند کہ بڑے شجاع اور بہادر تھے، وہ پہلوان تھے اور میلوں میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ عکاظ کے میلے میں بطور خاص تشریف لے جاتے، مگر آج تو بڑی تعداد میں لوگ ان کو مارنے یا ان کے ہاتھ سے مرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے گھر کا رخ کرتے ہیں تو گمراہوں کا ایک ٹولہ ان کے گھر کا محاصرہ کرلیتا ہے۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر اس وقت محض چھ برس کے تھے۔ وہ بھی اپنے مکان کی چھت پر کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح لوگ ان کے والد کو مار رہے ہیں اور وہ اپنا دفاع کررہے ہیں۔ ان کے والد کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ اسی دوران ایک شخص عمر کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اس نے بڑے عمدہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔ یہ آدمی بڑی شان وشوکت والا ہے۔ قمیص میں ریشمی کپڑے کی کفیں لگی ہوئی ہیں۔ وہ ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ لوگ اسے دیکھ کر سمٹ جاتے ہیں۔ خاموشی چھاجاتی ہے۔ یہ شخص مکہ کا رئیس ہے، اس کا نام عاص بن وائل ہے۔ عمر کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا: عمر! کیا بات ہے، یہ ہجوم کیسا ہے؟

عمر جواب میں کہہ رہے ہیں: آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں: ہم عمر کو مار ڈالیں گے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ عاص بولا: عمر! تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے، ہجوم اس کی فیصلہ کن بات سننے کے لیے منتظر ہے۔ عاص نے کہا: ایک شخص اپنی مرضی سے ایک دین اختیار کرتا ہے، اس میں تمھارا کیا دخل ہے؟ کیا تم لوگ بنو عدی سے مقابلہ کرسکتے ہو؟ تم کیا سمجھتے ہو کہ اگر تم نے اسے نقصان پہنچایا تو بنو عدی خاموش رہیں گے؟ جاؤ چلے جاؤ! اس کی طرف تمھارے لیے کوئی راہ نہیں۔ عمر میری پناہ میں ہے۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لوگوں نے عاص سے اس مفہوم کی گفتگو سنی جس میں وہ انھیں کہہ رہا تھا: تم عمر کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔ یہ سنتے ہی سارے لوگ ایک ایک کرکے وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ عاص بن وائل اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا، مگر سبحان اللہ! بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ بتوں کے بجاریوں سے بھی اپنے دین کی خدمت کا کام لے لیتا ہے۔

عمر بن خطاب کا اسلام لانا مکہ میں نہایت غیر معمولی واقعہ تھا۔ ہر گھر میں عمر کے اسلام لانے کی باتیں تھیں۔ لات اور عزیٰ کے ماننے والے سخت پریشان ہیں، ان کی راتوں کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔ چند دن پہلے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب بھی اسلام قبول کرچکے تھے۔ اسلام بلاشبہ ان دونوں کے آنے سے پہلے کمزور تھا، مگر یہ دونوں ہی بڑے بہادر اور دلیر جنگجو ہیں۔ لڑنا مرنا جانتے ہیں۔ وہ کوئی فیصلہ کرلیں تو اس کی تنفیذ سے انھیں کون روک سکتا ہے۔ مکہ میں مسلمانوں پر علانیہ ظلم وستم ہوتا تھا، اس میں اب قدرے کمی واقع ہوگئی ہے۔ سیدنا



حمزہ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے مکہ کی فضاؤں میں دوسرا زبردست دھماکہ ہوتا ہے۔مکہ کی فضاؤں میں ایک انقلاب آتا ہے جس سے مکہ کی فضاؤں میں مسلمانوں کے حق میں زبردست تبدیلی آجاتی ہے۔

مراد مصطفیٰ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ایمان کی خاصیت ہی ایسی ہے کہ جب یہ آدمی کے دل میں اتر جاتا ہے تو پھر اس کی سعادت ولذت اسے آگے بڑھنے اور کچھ کرنے پر مجبور کردیتی ہے۔عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کچھ سوال وجواب ہورہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کرام سے پیار کرنے والے اور ان کی قدر کرنے والے ہیں۔عمر فاروق کی جانب سے سوال ہوتا ہے: اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ جواب ملتا ہے: عمر! کیوں نہیں، یقیناً ہم حق پر ہیں۔ عرض کی خواہ ہم زندہ رہیں یا وفات پاجائیں؟ ارشاد ہوا: بلاشبہ ہم حق پر ہیں خواہ زندہ رہیں یا فوت ہوجائیں۔عمر فاروق نے عرض کیا: اللہ کے رسول! پھر یہ چھپ چھپ کر اللہ کی عبادت کرنا کیسا؟ کافر تو علانیہ بتوں کی پوجا کریں مگر ہم لوگ ایک سچے رب کے پرستار ہیں، اس کو ماننے والے ہیں، ہم چھپ کر اس کی عبادت کیوں کریں؟«وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَنَخْرُجَنَّ» ''اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور نکلیں گے۔'' عمر کی جرأت وطاقت اور اعتماد کو سلام۔ کہنے لگے: اللہ کے رسول ﷺ اب ہم علانیہ مسجد حرام میں نماز پڑھیں گے۔ ہم دو صفوں میں تقسیم ہوکر نکلیں گے۔ ایک صف کے آگے میں رہوں گا اور دوسری کے آگے آگے حمزہ چلیں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس تجویز کو قبول فرمایا۔ مسلمان اس وقت چالیس کی تعداد میں تھے۔ جبکہ گیارہ عورتیں بھی اسلام قبول کرچکی تھیں۔

مکہ کی وادی میں چالیس مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہوکر بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہیں۔ ایک حصہ کی قیادت سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اور دوسرے حصہ کی قیادت خود سیدنا عمر کررہے ہیں۔ کیا قوت اور طاقت تھی ان چالیس بہادروں اور جوانمردوں میں کہ ان کے چلنے سے سرسراہٹ اور قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ ہلکا ہلکا غبار اٹھ رہا تھا۔ اگر میں یہ لکھ دوں کہ اسلام کے یہ مجاہد جب بیت اللہ شریف کی طرف رواں دواں تھے تو ان کے قدم بالکل مجاہدوں کی طرح زمین پر زور زور سے پڑ رہے تھے۔ ان کے قدموں کی دھمک سے دشمن دم بخود تھا۔ اس کا رواں کی قیادت دو بڑے مجاہد کررہے ہیں۔ دونوں ہی عظیم ہیں۔ دونوں ہی بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک بنوعدی کے چشم وچراغ ہیں تو دوسرے وہ ہیں جنھیں پورا حرم اور اس کے اردگرد کا علاقہ ہی نہیں پورا عرب جانتا ہے۔ یہ ہاشمی نوجوان ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ کا چچا ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مکہ میں سناٹا ہے۔ کس کی جرأت اور طاقت ہے کہ ان بہادروں اور دلیروں کے قدم روکے۔

مشرکین نے ان دو صفوں میں آنے والوں کو دیکھا۔ قریشیوں کی نگاہیں بطور خاص سیدنا حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما پر جم کر رہ گئی ہیں۔ وہ اتنے رنجیدہ ہیں کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ یہ مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا پہلا مظاہرہ تھا۔ یہی وقت تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمر کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ یہ لقب کوئی معمولی لقب نہیں۔ رسالت مآب نے اپنی زبان اقدس سے عمر فاروق کو حق وباطل میں فرق کرنے والا ارشاد فرمایا۔ یہ اسلامی تاریخ کا غیر معمولی اور منفرد واقعہ ہے۔ ارشاد ہوا: «إِنَّ اللَّهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ وَهُوَ الْفَارُوقُ فَرَّقَ اللَّهُ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ» ''اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کردیا ہے۔ وہ فاروق ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کردیتا ہے۔''(جامع الترمذي: 3682، و صحيح و ضعيف الجامع للالباني: 131/3)

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سیدنا عمر فاروق کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت طاقت اور قوت نصیب ہوئی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ ان کا قد چھوٹا اور ٹانگیں پتلی پتلی تھیں، مگر ایمان میں وہ کوہ ہمالیہ سے بھی بلند وبالا تھے۔ سیدنا عمر فاروق کے اسلام لانے پر بڑا خوبصورت اور مبنی بر حقیقت تبصرہ کرتے ہیں:«مَازِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ» ''جب سیدنا عمر مسلمان ہوئے تو ہم طاقتور ہوگئے۔'' «وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَنُصَلِّيَ حَتَّى أَسْلَمَ عُمَرُ» ''ان کے اسلام لانے سے پہلے ہم بیت اللہ کا



طواف کر سکتے تھے نہ ہی ہمیں وہاں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔'' «فَلَمَّا أَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَهُمْ حَتَّى تَرَكُونَا فَصَلَّيْنَا» ''جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو انھوں نے مشرکین سے مقابلہ کیا، پھر ہم نے مسجد حرام میں نمازیں بھی پڑھیں اور بیت اللہ کا طواف بھی کرنے لگے۔''

(مجمع الزوائد: 57/9)

عبداللہ بن مسعود کی باتیں جاندار ہیں اور ان کا تبصرہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ عمر کی شخصیت میں بلند ہمتی تھی۔ وہ کچھ کر گزرنے والی شخصیت تھے۔ ان کی سوچ اور فکر ایک ہی تھی کہ کسی طرح اسلام کا بول بالا ہو اور ہر طرف اسلام پھیلے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود نے ایک اور موقع پر عمر فاروق کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''عمر کا اسلام لانا عظیم فتح تھی۔ ان کی ہجرت فتح کی نوید اور ان کی امارت باعث رحمت تھی۔ عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہم بیت اللہ کا طواف کر سکتے تھے نہ اس کے قریب نماز ادا کر سکتے تھے۔ جب عمر فاروق مسلمان ہوئے تو ہم نے مشرکین سے لڑائی کی یہاں تک کہ انھوں نے ہمارا راستہ چھوڑ دیا۔ اور ہم نے حرم میں نمازیں ادا کیں۔''

حرم مکی کی عظمت کے کیا کہنے!! یہ حرم کسی کی میراث تو نہیں تھا۔ مشرکین بلا استحقاق ہی اس کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اور مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی سے روکتے تھے۔ بیت اللہ کو تو اللہ کے رسول ﷺ کے جد امجد سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا۔ انھوں نے اس کی تعمیر کے وقت اللہ تعالی سے بڑی دعائیں کی تھیں۔ ''جب یہ دونوں باپ بیٹا بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو انھوں نے دعا کی تھی: اے اللہ! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے۔ ہمارے رب! ان میں ایک رسول مبعوث فرما جو انھی میں سے ہو۔ وہ ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کرے، انھیں کتاب وسنت کی تعلیم دے اور ان کو پاکیزہ بنا دے۔'' (البقرة 129,127:2)

اللہ رب العزت نے اپنے ان دو نہایت برگزیدہ بندوں کی دعا قبول فرما لی اور انھی کی اولاد میں سے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: میں سیدنا ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ آج اسی حرم کعبہ میں اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اس کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے محروم کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ حق کون چھین سکتا تھا؟ یہ حق لینے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر علانیہ اپنی قوت وصلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ (جاری ہے)

گھر بیٹھے علم دین سیکھنے کا جامع پروگرام

اوپن یونیورسٹی سے آسان طریقہ

نہ کسی مدرسہ میں داخلہ، نہ مروجہ امتحانات

تعلیم الاسلام سرٹیفکیٹ | ڈپلومہ: فاضل علوم اسلامی | اسناد فضیلت: الاستاذ، رئیس الاساتذہ | مبلغ اسلام کورس | مدرس قرآن کورس

سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس کے طلبا و طالبات کے لئے خصوصی پیکج

تعلیمی بورڈ:۔ ڈاکٹر سہیل حسن، صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، علامہ زاہد الراشدی، خلیل الرحمٰن چشتی، اکرام اللہ جان، ڈاکٹر حبیب الرحمٰن عاصم، مولانا عبدالمالک، حافظ عاکف سعید، ڈاکٹر ایس ایم زمان، ڈاکٹر سید زاہد حسین، مولانا حنیف جالندھری، ڈاکٹر نجم الدین، مولانا محمد صدیق ہزاروی، محمد الیاس ڈار (چیئرمین دعوت فاؤنڈیشن)

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان

مکان نمبر: 1، STI کالونی، پلاٹ نمبر 7، سیکٹر: H-9، اسلام آباد

فون نمبر: 051-4444266,0323-5131416,0313-8484860



علومِ نبوت کے حاملین کے لیے گراں قدر نصیحتیں

ابوعمار عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ
شیخ الحدیث جامعہ مراۃ القرآن والحدیث (وار برٹن)

حصولِ علم کی راہ سراسر جنت کی راہ ہے

یہ راہ ابتدا سے انتہا تک اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور جنت کی راہ ہے۔ فرمایا: ''جو شخص کسی راستے پر چلے، جس میں وہ علم حاصل کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سبب سے اسے جنت کی راہ پر چلائے گا۔ اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لیے اپنے پر جھکاتے یا بچھاتے ہیں۔ اور طالب علم کے لیے آسمان والے (فرشتے) اور زمین میں بسنے والی مخلوق حتی کہ سمندر کے اندر مچھلیاں تک استغفار کرتی ہیں۔ اور ایک عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہوتی ہے جو چودھویں کے چاند کو دیگر ستاروں پر ہوتی ہے۔'' (سنن أبي داود: 3641)

یہ وراثت نبوی ہے

دنیا میں بسنے والے تمام لوگوں میں سے عالم ربانی، عالم حقانی کا یہ مقام ہے کہ انھیں انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ اعزاز و منصب کسی بڑے سے بڑے بادشاہ، سونے چاندی اور خزانوں کے مالکوں یا جائیدادوں کے وارثوں کو نصیب نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء درہم و دینار کے وارث نہیں بناتے، وہ علم کے وارث بناتے ہیں، جس نے یہ چیز لے لی اس نے بہت بڑا نصیبہ پایا۔'' (سنن أبي داود: 3641) اور دوسرے الفاظ میں علم پیغمبر علیہ السلام کو دیے گئے اس مشروب مطہر کا بقیہ اور فضلہ ہے جو آپ پر نازل ہوا اور پھر آپ نے اپنی امت میں تقسیم فرمایا اور اب آپ اور ہم اس کا کوئی جُرعہ لینے کے لیے اس قطار میں آ کھڑے ہوئے ہیں!

امام محمد بن علی بن حسین رحمہ اللہ کا قول ہے: ''خداداد بصیرت اور حدیث نبوی میں فہم ہی سے انسان فقیہ اور دانا بنتا ہے۔'' اور نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کیا خوب فرماتے ہیں: ''بلاشبہ علم حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان معنوی طور پر صحابیت کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان جو طول طویل بُعد زمانی ہے، ہمارا آپ سے رابطہ اسی علم ہی کے ذریعے ممکن ہے، اور حدیث کے طالب علم کے ذہن میں کثرت مطالعہ و مذاکرہ کی وجہ سے آپ ﷺ کی ایسی تصویر رچ بس جاتی ہے جو مشاہدہ و معاینہ کا حکم رکھتی ہے۔''

جناب حسن بن محمد نسوی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

اهل الحديث هم اهل النبى وإن
لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

''یہ اہل حدیث ہی حقیقت میں اہل نبی



ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ شخصی طور پر آپ کی ذات اقدس کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہوسکے، لیکن آپ کے انفاس طیبہ یعنی آپ کی گفتگو اور سیرت سے بالضرور فیض یاب ہیں۔''

ایک بزرگ کا قول ہے کہ ''میرے لیے علم حدیث میں شوق کی واحد وجہ لفظ «قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ» کا تکرار ہے!

اہل الحدیث کے لیے یہ کس قدر اعزاز و کمال ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی لیا جاتا ہے تو یہ لوگ کس خوبصورتی اور جذبے سے آپ کے لیے صلاۃ وسلام کا ورد کرتے ہیں! یہ لوگ علوم محمدیہ میں کس قدر رفنا ہیں کہ انھوں نے اپنی ہستیوں کو رسول اللہ ﷺ کی ذات میں گم کردیا ہے۔ انھوں نے احادیث محمدیہ کی اس قدر خدمت کی ہے کہ اب خود مخدوم بن گئے ہیں۔''

علماء ہی فی الواقع ''مبارک شخصیات'' ہیں

قرآن مجید ذکر کرتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے پالنے میں جب گفتگو فرمائی اور اپنے متعلق تعارف کرایا تو فرمایا: ﴿.....وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ.....﴾ ''اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے۔'' (مریم 31:19) اس کی تفسیر جناب مجاہد رحمہ اللہ نے «مُعَلِّمًا لِلْخَيرِ» (خیر اور نیکی کی تعلیم دینے والا) فرمائی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی برکت ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' تھی۔ اور ایک ترجمہ ''ثابتا فی دین اللہ'' (اللہ کے دین میں ثابت قدم اور صاحب استقامت) ذکر ہوا ہے۔ اور یہی معانی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں وارد اوصاف «إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً» کے ذکر ہوئے ہیں۔ اور ہمارے یہ اساتذہ کرام جو ہمیں قرآن کریم، تفسیر، حدیث اور فقہ اسلامی کا درس دیتے ہیں.....بھی ان شاء اللہ، جیسے کہ ہمارا گمان ہے، ان ہی اوصاف کے وارث ہیں۔ «وَلَا نُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا» بہرحال یہ ایک بڑی خیر اور سعادت ہے جسے یہ حاصل ہوجائے۔

اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے متعلق جناب ابوعثمان سعید بن اسماعیل الحیری رحمہ اللہ کا یہ قول ہمارے لیے کس قدر فرحت افزا ہے کہ: «إِنَّ اللّٰهَ لَيَدْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ أَهْلِ هَذِهِ الْمَدِينَةِ لِمَكَانِ أَبِي بَكْرٍ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ» ''اللہ تعالیٰ شیخ ابوبکر محمد بن اسحٰق (ابن خزیمہ) کی وجہ سے اس شہر نیشاپور سے مصائب وابتلاء دور فرما رہا ہے۔'' (مراد اس سے ان کی دعا اور اشاعت معروف اور انکار منکر وغیرہ کے افعال خیر ہیں) اور یوں بھی بیان ہے کہ علماء اپنے علم کی برکت سے فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں «إِنَّ الْفِتْنَةَ تَجِيءُ فَتَنْسِفُ الْعِبَادَ نَسْفاً وَيَنْجُو الْعَالِمُ مِنْهَا بِعِلْمِهِ» ''یعنی فتنے اور آزمائشیں آتی ہیں اور بندوں کو ان کے ذریعے آزمایا اور کھنگالا جاتا ہے مگر ان سے علماء اپنے علم کی برکت سے بچ نکلتے ہیں۔'' (تهذيب تاريخ دمشق: 2/171)

عبادت کا اجر یا عوض.....؟

اس موقع پر ایک نوخیز طالب علم اور صاحب علم کو یہ خیال آتے ہیں اور آنے بھی چاہئیں کہ کل کلاں فارغ التحصیل ہوکر بڑے خطیب، عالم بے بدل، مدرس اور مفتی وغیرہ بنیں گے۔ ایک اونچا منصب ہوگا اور بھاری تنخواہ ہوگی .....وغیرہ وغیرہ بنیں گے۔ تو یہ خیالات ایک اعتبار سے فطری ہیں اور قیمتی بھی۔ ان کی حفاظت کیجیے اور اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھیں۔ ایک اعلیٰ مقام اور مقام و مرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔

تندہی اور اخلاص سے محنت کرتے ہوئے اپنے تعلیمی مراحل تہ کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب و کامران فرمائے۔ لیکن تھوڑی سی احتیاط کہ.....یہ مقامات و منازل کل اللہ کے ہاں قیامت کے روز اور جنت میں حاصل ہوں۔ اور وہاں فوز وفلاح کا باعث بنیں۔ جیسے کہ بیان ہوا یہ تعلیم وتعلم سراسر عبادت کا عمل ہے اور عبادت میں اصل مقصد اپنے رب تعالیٰ کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ اور عبادت کا عوض اور بدل لوگوں سے نہیں لیا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص اپنے نماز روزے کا عوض اور بدل لوگوں سے لیتا ہے تو خسر الدنیا والآخرۃ.....اس نے دنیا وآخرت کا بے نظیر خسارہ اور گھاٹا پایا۔

علم میں ایسے خیالات و جذبات کہ صرف دنیا اور دنیا داری ہی مقصود ہو، دنیا کا کروفر، اپنے ساتھیوں کو مات دینا یا اپنے مقابل کو نیچا دکھانا ہی منظور نظر ہو یا صرف اونچا منصب اور اونچی تنخواہ ہی پیش نگاہ ہو تو یہ ایک شیطانی فتنہ ہے۔ اس سے اپنے آپ کو دور اور بالا رکھنا فرض ہے۔ اگر شرعی علم و تعلم میں ایسی نیت اور مقصد ہی منتہائے نظر ہو تو اس کی بجائے کوئی



اور کام اور کاروبار کر لینا ہی مفید رہے گا۔ اعمال آخرت میں دنیاداری کے خیالات کی آمیزش کا مسئلہ امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی کتاب ''جامع العلوم والحکم'' کی پہلی حدیث کی شرح میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علم (دین) حاصل کرنے میں جس کی نیت یہ ہو کہ دوسرے علماء سے مقابلہ بازی یا احمقوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرے یا اس کے ذریعے لوگوں کی نظروں اور چہروں کو اپنی طرف متوجہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے گا۔'' (جامع الترمذي: 2866)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوئی ایسا علم سیکھا کہ جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے، اور وہ اسے محض اس نیت اور مقصد سے حاصل کرے کہ اس کے ذریعے دنیا کا کوئی مال حاصل کرے، تو ایسا آدمی جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا۔'' (سنن أبي داود: 3664)

اے عزیزان! اس لیے اپنے عزائم اور مقاصد کو بہت بلند و بالا رکھیے مگر صرف اور صرف اس لیے کہ اللہ راضی ہو، اس کا تقرب حاصل ہو، رسول اللہ ﷺ کی قربت اور آپ کی شفاعت مل جائے۔ اور رہے یہ جذبات کہ دنیا بھی تو چاہیے، کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے وغیرہ کے لیے بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔ تو اس بارے میں یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اسی راہ میں ایسے حلال پاکیزہ ذرائع پیدا فرما دے گا جن سے اس چند روزہ زندگی کی ضروریات بخوبی پوری ہوتی رہیں گی۔

ہم سب کا ایمان ہے کہ رزق کا معاملہ سراسر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ ''زمین میں چلنے پھرنے والا جو بھی کوئی جانور ہے، تو اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔'' (ھود 6:11) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے وعدہ فرمایا ہے کہ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''اللہ تعالیٰ آپ کو وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔'' (الضحیٰ 5:93)

اس میں دنیا اور آخرت دونوں جہان کی نعمتوں کے وعدے ہیں۔ جیسے کہ آپ علیہ السلام کی سیرت میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ اور صحابہ کرام و تابعین اور ائمہ عظام کی تاریخوں سے واضح ہے۔ ہمارے اساتذہ کرام کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی عالم کو بے سروسامان نہیں چھوڑا ہے۔ ہمیں اور آپ کو اس میدان میں کامل طور پر اللہ پر یقین رکھنا چاہیے۔

رَو کارکن ملرزاں پاؤ دست
رزقِ تو، بر تو، زتو عاشق تراست

(جاؤ اور اپنا فرض ادا کرنے والے بنو، خوامخواہ اپنے ہاتھ پاؤں مت لرزاؤ، تمھارا رزق، تم پر، تم سے زیادہ عاشق ہے)

رزق کبھی بھی ان دنیاوی ڈگریوں، فنون اور دستکاریوں سے نہیں ملتا، یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب ضرور بنائی ہیں مگر اصل رازق و رزاق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

''اور بہت سے جانور ہیں کہ اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے۔ ان سب کو اور تمھیں بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ وہ بڑا ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔'' (العنکبوت 60:29) بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور اس کے رزق کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ ابوتمام صاحب الحماسہ کے یہ اشعار بڑے عظیم ہیں ؎

ولو كانت الارزاق تجرى على الحجٰى
هلكن إذاً من جهلهن البهائم
ولم يجتمع شرق و غرب لقاصد
ولا المجد فى امرىءٍ والدراهم

''اگر رزقوں کی تقسیم عقلوں کی بنیاد پر ہوتی تو چوپائے اپنی جہالت کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہوتے۔ محض کسی کے چاہنے سے اس کے لیے مشرق و مغرب (دنیا) جمع نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی کسی کے لیے عزت و ناموری اور دراہم (روپیہ پیسہ) اکٹھے ہو سکتے ہیں۔''

اس موضوع میں درج ذیل حدیث طلبہ علوم شرعیہ، ان کے اساتذہ کرام اور دیگر داعیان حق اور ان کے معاونین گرامی کے لیے انتہائی خوشخبری ہے:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص کا مقصد (محض) حصولِ دنیا ہی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بکھیر دیتا ہے، اور اسے دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لیے مقدر ہوتی ہے۔ اور جس کی نیت آخرت کا حصول ہو اللہ تعالیٰ اس کے کام



مرتب کر دیتا ہے اور اس کے دل میں استغنا پیدا فرما دیتا ہے اور دنیا ناک رگڑتی ہوئی اس کے پاس آجاتی ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 4105)

جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے: ''حقیقت یہ ہے کہ ہمیں رزق کے معنی نہیں آتے، رزق کہتے کسے ہیں؟ ہمارے رزق کے تصور کے غلط ہونے کی وجہ سے بعض چیزیں جو ''رزق'' نہیں بلکہ ''فتنہ'' ہیں، ہم اسے ''رزق'' تصور کر لیتے ہیں۔ وگرنہ اسی کائنات میں جو رزق کی حقیقت اور اصلیت ہے وہ ہر ذی روح انسان تو کیا اس سے لاکھوں بڑی دوسری مخلوقات ہیں، جن کے لیے اصلی رزق جو حیات کو قائم رکھنے والا ہے، وہ فطری طور پر خود فراہم کیا گیا ہے۔''

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ''جب میں نے طلب علم کا عزم کیا، اور دیکھا کہ علم اٹھا جا رہا ہے تو میں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے معیشت بھی چاہیے۔ رزق کے معاملے میں میری کفالت فرما اور علم کے لیے فراغت نصیب فرما۔'' کہتے ہیں کہ پھر میں طلب علم میں مشغول ہوگیا۔ چنانچہ آج تک مجھے کوئی محرومی نہیں رہی! (تاريخ الاسلام ذهبي: 225/10) الغرض ؎

تو بندگی چو گدایاں برائے مزد مکن
کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

(تو منگتوں اور گداؤں کی مانند تھوڑی سی مزدوری اور عوض کی خاطر بندگی مت کر (جانے رہ کہ) مالک خود ہی اپنے بندوں کی پرورش اور پالنے کے انداز بخوبی جانتا ہے۔)

دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ.....!

عزیزان محترم! کبھی بھی اس وہم اور شبہ میں نہ آئیں کہ لوگ علماء کی عزت نہیں کرتے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے جبکہ سب سے بڑی حقیقت اور سچ یہ ہے کہ ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ''عزت تو صرف اور صرف اللہ، اس کے رسول اور ایمان داروں کے لیے ہے۔'' (المنافقون 8:63) اس آیت کریمہ کی روشنی میں انبیاء و رسل اور متبعین کی سیرتوں پر غور اور توجہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ اللہ رب العلمین کی قدر صرف اہل ایمان ہی نے پہچانی ہے اور رسول کی عزت بھی ہمیشہ کسی صدیق و فاروق ہی نے کی ہے۔ ایمان داروں نے کبھی کسی مومن کو بے وقار نہیں کیا۔

آپ کو بھی یہ جان لینا چاہیے کہ اہل ایمان دنیا کے جس کسی کونے میں بھی ہوں وہ آپ سے محبت کرتے ہیں، اور آپ ان کو جہاں کہیں بھی مل گئے وہ آپ کی ایسی عزت کریں گے کہ آپ کو اس کا اندازہ نہیں اور آخرت کا معاملہ تو اللہ کے ہاں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اس کائنات کے عزیز ترین فرد اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے محمد رسول اللہ ہیں تو کیا کوئی ابوجہل اور ابولہب آپ علیہ السلام کی عزت کرنے کا روادار ہوسکتا تھا۔ یا عبداللہ بن اُبی (منافق) نے زندگی بھر آپ علیہ السلام کی کوئی عزت کی؟ بات یہ ہے کہ

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

(ہر ہم جنس ہمیشہ اپنی جنس، اپنے ذوق و مزاج کے لوگوں ہی سے راہ و رسم اور الفت رکھتا ہے)

آپ ایمان و تقویٰ کی بنیاد پر ہر لحاظ سے معزز اور محترم ہیں۔ آپ کو اپنی شخصیت اور ایمان و عمل پر نظر رکھنی چاہیے کہ آپ اپنے اللہ سے کتنے باوفا ہیں؟ کوئی آذر اپنے ابراہیم سے بیٹے کی قدر نہیں کرے گا۔ اور نہ کوئی فرعون و ہامان یا قارون، موسیٰ و ہارون کو کوئی اہمیت دے گا۔

اور آج کے بعض حضرات جو کہتے ہیں کہ علماء کی کوئی قدر نہیں۔ اگر میں کہوں کہ شاید انھوں نے خود اپنی قدر نہیں پہچانی! تو شاید بے جا نہیں۔ علماء یقیناً اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے دلوں کا قرار ہیں۔ مگر کفار و منافقین اور فاسقین کی آنکھوں کے لیے خار اور ان کی راہ کے پتھر ہیں اور یہ ساری بحث ربانی و مخلص علماء سے متعلق ہے نہ کہ کسی نام نہاد صاحب جبہ و دستار سے! اللّٰهم الهمنا رشدنا واعزنا من شرور انفسنا

جناب ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ علماء ایک دوسرے کو تین باتوں کی نصیحت کیا کرتے بلکہ ایک دوسرے کو لکھ بھیجا کرتے تھے:

① جس شخص نے اپنے باطن کی اصلاح کر لی، اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی عمدہ بنا دے گا۔

② جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین تعلق کو عمدہ بنا لیا، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے مابین تعلق کو بھی عمدہ اور پسندیدہ بنا دے گا۔

③ اور جس نے اپنی آخرت کے سنوارنے میں محنت کی، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کے معاملات کو بھی سنوار دے گا۔ (سير اعلام النبلاء: 141/19)

(جاری ہے)



سیرت النبی ﷺ پر ایک بہترین کتاب

رہبر کامل ﷺ

تصنیف: مولانا ابوالوحید عبدالمجید خادم سوہدروی رحمہ اللہ

حواشی: مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ / مولانا حافظ محمد نعمان فاروقی

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ (570-632) مسلمانوں کے لیے اسلامی آئیڈیل کا کامل نمونہ رہی ہے۔ اور وہ آج بھی آپ ﷺ کو اسلامی نصب العین کا سرچشمہ سمجھتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔'' (الأحزاب 21:33)

مولانا ابوالکلام آزاد (م 1958ء) فرماتے ہیں: جب تک دنیا باقی ہے صاحب قرآن کی سیرت و حیات مقدس کے مطالعے سے بڑھ کر نوع انسانی کے تمام امراض قلوب و علل ارواح کا کوئی علاج نہیں۔ اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت ہے۔ اور دراصل قرآن اور حیات نبوت معناً ایک ہی ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرت اس کی شرح، قرآن علم ہے اور سیرت اس کا محل۔

سیرت نبوی ﷺ کا موضوع اس قدر وسیع ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ سیرت نبوی ﷺ پر جو کتابیں سب سے پہلے احاطہ تحریر میں آئیں ان کے نام یہ ہیں:

محمد ابن اسحاق (م 767ء)، محمد بن عمر الواقدی (م 820ء)، محمد بن سعد (م 845ء)، ابوجریر الطبری (م 923ء)

سیرۃ النبی ﷺ پر دنیا کی ہر زبان میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ پر کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ ایک ایسا مقدس موضوع ہے کہ اب تک اس کا شمار نہیں ہوسکا کہ سیرۃ النبی ﷺ پر کتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں بے شمار کتابیں سیرۃ النبی ﷺ پر احاطہ تحریر میں آئی ہیں۔ اگر ان کی پوری تفصیل دی جائے تو کئی سو صفحات پر کتاب تیار ہوسکتی ہے، تاہم چند مشہور کتابوں کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

① رحمۃ للعالمین: علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ۔ ② سیرۃ النبی ﷺ: علامہ شبلی رحمہ اللہ وعلامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ۔ ③ نبی رحمت ﷺ: مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ۔ ④ سیرۃ الرسول ﷺ: مولوی انشاء اللہ خان۔ ⑤ سیرۃ سرور دوعالم ﷺ: مولانا سید مودودی۔ ⑥ محمد رسول اللہ ﷺ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ خاں۔ ⑦ حیات نبی امی ﷺ: خالد مسعود۔ ⑧ رسولِ رحمت ﷺ: مولانا ابوالکلام آزاد/ مرتب مولانا غلام رسول مہر۔ ⑨ صادق الامین: مولانا ڈاکٹر محمد لقمان سلفی۔ ⑩ سیرۃ خاتم النبیین ﷺ: ڈاکٹر ماجد علی خاں۔ ⑪ حیات سرور کائنات ﷺ: ملا واحدی دہلوی۔ ⑫ سیرۃ الرسول خاتم النبیین ﷺ: حکیم محمود احمد ظفر۔ ⑬ رہبر کامل ﷺ: مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی رحمہ اللہ۔





مصنف رہبر کامل ﷺ کا تعارف

کتاب کا تعارف پڑھنے سے پہلے مصنف کتاب کے بارے میں چند سطور ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی اور ان کے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے برصغیر پاک و ہند میں جو قدر و منزلت عطا فرمائی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس عظیم خاندان کے بانی مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی (1848-1930ء) جلیل المرتبت عالم دین اور توحید و سنت کے داعی تھے۔ تمام علوم دینیہ پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ حضرت حافظ محمد لکھوی (1797-1893ء)، عارف باللہ مولانا سید عبداللہ غزنوی (م 1298ء) اور شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م 1902ء) سے مستفیض تھے۔ 14 ذی الحجہ 1348ھ بمطابق 3 مئی 1930ء کو سوہدرہ میں رحلت فرمائی۔

مولانا عبدالمجید خادم کے والد محترم کا اسم گرامی مولانا عبدالحمید تھا۔ جو 1882ء میں پیدا ہوئے۔ اور 1912ء کو 30 سال کی عمر میں سفر آخرت اختیار کیا۔ استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی (م 1234ھ) شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م 1330ھ)، علامہ ابوالطیب شمس الحق ڈرمانوی عظیم آبادی (م 1329ھ)، علامہ حسین بن محسن انصاری السلیمانی سویل بھوپال (م 1327ھ) سے علوم عالیہ و آلیہ میں استفادہ کیا تھا۔ ان کے بارے میں مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (م 1916ء) لکھتے ہیں کہ 30 سال کی عمر پائی جو مہلت ملتی تو نام پیدا کرتے۔

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی کے نانا استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی (م 1334ھ) تھے۔ ان کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں 40 مرتبہ سے زیادہ صحیحین (بخاری مسلم) کا درس دیا۔ پنجاب کے جلیل القدر علمائے کرام آپ سے مستفیض تھے۔ 1334ھ میں وزیرآباد میں وفات پائی۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی نجیب الطرفین تھے!!

مولانا عبدالمجید خادم 1901ء میں پیدا ہوئے۔ علوم عالیہ و آلیہ کی تحصیل اپنے دادا مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی (م 1930ء) اور امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م 1956ء) سے کی۔ ان کا شمار برصغیر پاک و ہند کے نامور مبلغین اور واعظین میں ہوتا تھا۔ طبیب حاذق بھی تھے۔ اور صاحب تصانیف کثیرہ۔ ان کی اسلامی و طبی کتابوں کی تعداد ایک سو کے قریب ہے۔ بڑے حاضر جواب، بلند پایہ مقرر و خطیب اور ملکی و غیر ملکی سیاست سے باخبر عالم دین تھے۔ 16 نومبر 1959ء کو لاہور میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان سوہدرہ میں دفن ہوئے۔

کتاب ''رہبر کامل ﷺ'' کا تعارف

میرے پیش نظر کتاب کا 18 واں ایڈیشن ہے۔ اور جنوری 2015ء میں مسلم پبلی کیشنز اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ صفحات کی تعداد 338 ہے۔ یہ کتاب (19) ابواب پر مشتمل ہے۔ کتابت و طباعت اور جلد بندی بہت عمدہ اور نفیس ہے۔

باب: 1 آنحضور ﷺ ایک بیٹے کی حیثیت میں: اس باب میں آنحضرت ﷺ کے بچپن کے حالات، والدہ محترمہ، رضاعی والدہ کی خدمت گزاری اور احترام و عظمت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ''الغرض جہاں تک آپ ﷺ کے زمانہ طفولیت پر نظر دوڑاتے ہیں حضور ﷺ ایک نہایت ہی شریف الطبع، متین، سنجیدہ، فرمانبردار، راست گفتار، عالی ہمت اور سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔'' (ص: 48)

باب: 2 آنحضور ﷺ ایک شوہر کی حیثیت سے: اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ کیا سلوک تھا۔ اور آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ نے اپنی امت کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اپنی بیویوں سے حسن سلوک کرو اور انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «خَيرُكُمْ خَيرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيرُكُمْ لِأَهْلِي» ''سب لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی (کنبہ) کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔'' (سنن ابن ماجہ: 1977)

مصنف رحمہ اللہ اس باب کی تکمیل درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں: ''آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ محبت و الفت میں، لطف اور دلداری میں، ادائے تقدس و وفاداری میں، تعلیم و تربیت میں، تادیب و اصلاح میں اور پھر مختلف بیویوں سے عدل و انصاف میں جو کامل نمونہ پیش کیا ہے



جب تک نسل انسانی کا وجود قائم ہے وہ دنیا کے لیے ایک شمع ہدایت کا کام دے گا۔'' (ص:77)

باب: 3 آنحضور ﷺ ایک باپ کی حیثیت میں: اس باب میں آنحضرت ﷺ کو ایک باپ کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کی نعمت سے نوازا۔ تین فرزند اور چار بیٹیاں عطا کیں۔ آپ ﷺ نے ان کی کس طرح تربیت کی۔ چاروں بیٹیوں کی شادیاں کیں۔ بیٹے تو بچپن میں جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔

آنحضرت ﷺ کو اپنی اولاد سے بہت زیادہ محبت تھی۔ مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ کو اپنی اولاد سے اتنی محبت تھی کہ شاید ہم میں سے کسی کو بھی اتنی محبت نہ ہو۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ حضور ﷺ کی محبت کا معیار بلند تھا۔ حضور ﷺ کی محبت و اسلوب جداگانہ تھا۔ ہماری محبت کا معیار پست ہے ہماری محبت کا طریق غلط ہے۔ حضور ﷺ کو بے شک اولاد سے محبت تھی مگر یہ محبت رب کی محبت پر غالب نہ تھی۔ آپ ﷺ آیت مبارکہ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لاَ تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلاَ اَوْلاَدُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ''اے ایمان والو! تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔'' (المنافقون 9:63) کی حقیقت سے آگاہ تھے اور اس محبت میں بھی خالق کی محبت نمایاں رہتی تھی۔ (ص:87-88)

باب: 4 آنحضور ﷺ ایک مبلغ کی حیثیت میں: آنحضرت ﷺ کو اس باب میں مبلغ کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''اے رسول! اللہ کی طرف سے جو تم پر نازل ہوا ہے اس کی اشاعت و تبلیغ کرو۔'' (المآئدة 67:5) چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنی ساری زندگی دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور اپنی امت کو بھی تبلیغ کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا: «بَلِّغُوْا عَنِّي وَلَوْ آيَةً» ''مجھ سے جو کچھ سنو، اس کی تبلیغ کرتے رہو۔'' (صحيح البخاري:3461) آپ ﷺ کا دوسرا فرمان مبارک ہے: «فَلْيُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ» ''جو یہاں حاضر ہیں وہ ان احباب کو جو یہاں نہیں آسکے میرے پیغامات پہنچادیں۔'' (صحيح مسلم:1679)

آپ ﷺ کے ان مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ''آپ ﷺ نے پوری زندگی تبلیغ فرمائی اور دوسروں کو بھی تبلیغ کا حکم دیا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کیا اور تبلیغ کے لیے دور دراز ممالک میں نکل گئے اور تبلیغ کے سلسلہ میں اپنے اہل و عیال سے دور ہوگئے۔ اور صحابہ کرام کی پوری جماعت مبلغ بن گئی اور جن کی مساعی سے دنیا بھر میں اسلام پھیل گیا۔''

باب: 5 آنحضور ﷺ ایک جرنیل کی حیثیت میں: مصنف رحمہ اللہ اپنے اس باب کا آغاز درج ذیل تحریر سے کرتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو چھوڑ کر جب آپ ﷺ کی سیاسی زندگی پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ دنیا کے سیاست دانوں میں سب سے بڑھ کر سیاست دان اور دنیا کے جرنیلوں میں سب سے بڑے جرنیل تھے۔'' (ص:130)

آنحضرت ﷺ بہت شجاع اور بہادر تھے۔ آپ ﷺ کی شجاعت اور بہادری کے واقعات کتب احادیث و تواریخ میں درج ہیں۔ سنن نسائی اور مسند احمد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی گھمسان کا رن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا۔ تو اس وقت ہم نبی ﷺ کی اوٹ لیا کرتے تھے اور ہم میں سب سے آگے دشمن کی جانب نبی ﷺ ہوتے تھے۔ (مسند أحمد: 126/1)

غزوۂ حنین کا مشہور واقعہ ہے: ''جب کفار نے پہاڑ کے درہ میں بیٹھ کر اسلامی فوج پر تیروں کی بارش کردی تو مسلمانوں کی 12 ہزار فوج میں ابتری پھیل گئی اور اپنی جگہ پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ تو اس وقت آنحضرت ﷺ ہی تھے جو دشمن کی طرف بڑھتے جارہے تھے اور اپنی زبان مبارک سے یہ فرمارہے تھے: «اَنَا النَّبِيُّ لَاكَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ» ''میں سچا نبی ہوں اور عرب کے مشہور بہادر سردار عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' (صحيح البخاري:2874)

آپ کی آواز میں جادو کا اثر ہوا اور اسلامی فوج آگے بڑھی اور دم بھر میدان کا نقشہ بدل دیا۔ مورخین لکھتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں 80 غزوات اور سرایا ہوئے۔ جن میں دونوں طرف (مسلم اور غیر مسلم) سے مقتولین کی تعداد (1018) ہوتی ہے۔ یعنی فی جنگ (12.73) یعنی 13 سے بھی کم اوسط نکلتی ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ اپنے اس باب کا خاتمہ درج ذیل تحریر پر کرتے ہیں: ''حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کامیابی اور عظیم کامیابی جس نے عرب جیسے وسیع ملک میں فریقین کی صرف 1018 قربانیوں کے بعد اس قدر روحانی، اخلاقی، مادی اور ملی فوائد حاصل کیے جن کو بحیثیت مجموعی آج تک دنیا کی کوئی قوم اور ملک حاصل نہیں کرسکا۔ یقیناً آپ جیسا مدبر اور دانشور جرنیل نہ پیدا ہوا اور نہ آئندہ پیدا ہوگا۔'' (ص:145)

باب: 6 آنحضور ﷺ ایک فاتح کی حیثیت میں: ایک فاتح جب کوئی ملک فتح کرتا ہے تو وہ اپنی من مانی کرتا ہے۔ مفتوح قوم کا قتل عام کرتا ہے۔ ان کی املاک تباہ و برباد کردیتا ہے۔ مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا کر اپنے ملک کی طرف کوچ کرتا ہے۔ تاریخ کا ایک طالب علم بخت نصر کے حالات سے بخوبی واقف ہوگا کہ اس نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو اس نے کیا کچھ نہ کیا۔ عوام کا قتل عام بھی کیا۔ املاک تباہ کردیں اور لاکھوں کی تعداد میں مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر مبعوث فرمایا، جب آپ ﷺ نے اپنے مولد مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔ اور اس شہر کے مکینوں (کفار) نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ کتنے جوروستم کیے تھے۔ تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی تھیں۔ آپ ﷺ نے مکہ پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے کمانڈروں کو حکم دیا کہ شہر مکہ پر پورا کنٹرول ہوجائے تو درج ذیل احکامات پر پورا پورا عمل کیا جائے: ① جو شخص ہتھیار پھینک دے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ ② جو شخص بیت اللہ کے اندر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ ③ جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ ④ جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ ⑤ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ ⑥ جو لوگ بھاگ جائیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔ ⑦ بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ ⑧ قیدیوں کو بھی قتل نہ کیا جائے۔

(تاریخ ابن کثیر: 3/288-289)

غیر مسلم مورخین نے بھی آنحضرت ﷺ کی بحیثیت فاتح بڑی تعریف کی ہے۔ عیسائی مورخ ڈین پول لکھتا ہے: ''جب آپ ﷺ مکہ پر حملہ آور ہوئے اور مکہ والوں نے اطاعت قبول کرلی۔ پیغمبر ﷺ کے لیے یہ وقت خون خواری دکھانے کا تھا۔ آپ ﷺ کے مخالف دشمن آپ ﷺ کے قبضہ میں تھے اور پوری طرح ان سے انتقام لیا جاسکتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے قریش کے تمام قصور معاف کردیے۔ اور فوج اس قدر سکون کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی کہ گویا نئی بات ہی نہ تھی اور نہ ہی کوئی گھر لوٹا گیا۔'' (ص:150)

آنحضرت ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا۔ اس کی مثال تاریخ میں کسی اور فاتح کی نہیں ملتی۔ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے۔ آپ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ یہ ہے کہ تمام قیدیوں کو رہا فرمادیا۔ بعض سے برائے نام فدیہ لیا اور بہتوں کا فدیہ اپنے پاس سے ادا فرما کر ان کو رہا کردیا۔

آنحضرت ﷺ کا قیدیوں سے سلوک کے بارے میں عیسائی مورخین نے بھی تعریف کی ہے۔ ایک عیسائی مورخ جارج سیل لکھتا ہے: ''دنیا میں اسلام کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال موجود نہیں۔ اسے نہ صرف عربوں نے قبول کیا۔ بلکہ جہاں کہیں اس کا غلغلہ بلند ہوا۔ وہیں گردنیں جھک گئیں۔ لیکن کیوں؟ اسلام کی تعلیم کے لیے جو شخص مقرر ہوا تھا اس کے پہلو میں ایک ایسا دل تھا جو اپنے جیسے انسانوں کی مصیبت دیکھ کر تڑپ جاتا تھا۔ (ص:159)

مصنف رحمہ اللہ جارج سیل کے اس بیان پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ سچ ہے۔ «اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ» ''فضیلت و شرف تو یہ ہے کہ جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔'' چنانچہ غیر مسلم بھی آپ ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اس بات پر ذرا مبالغہ نہیں کہ آپ ﷺ جیسا کامیاب اور ہمہ صفت موصوف فاتح آج تک ہوا ہے نہ قیامت تک ہوگا۔ (ص:159) (جاری ہے)

ماہنامہ علم و آگہی کا خصوصی نمبر
''اچھے رشتے کیوں نہیں ملتے.....؟''
حاصل کرنے کے لیے خط لکھیں، فون کریں اپنا نام/ پتہ ٹیکسٹ کریں اور فری حاصل کریں
طارق اکیڈمی/ ماہنامہ علم و آگہی سلیمی چوک، فیصل آباد پاکستان
Ph:0092-41-8715768,8546964
Email: ilmoagahi74@yahoo.com



نسل نو کی تربیت میں
مسلم ماؤں کا کردار کیا ہونا چاہیے؟

اخت عمران ناظر

بچہ مسلسل رو رہا تھا، ماں نے محبت بھرے انداز میں پوچھا: میرے چاند کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو؟ بچے نے بڑے ہی معصومانہ انداز میں جواب دیا: اماجان! مجھے موت کی یاد آ رہی ہے۔ یہ بے ساختہ جواب سن کر ماں کی آنکھوں میں بھی آنسو جاری ہوگئے اور اس نے اپنے پاکیزہ خیال بیٹے کو شفقت بھرے انداز میں گود میں اٹھا لیا۔

محترم قارئین! یقیناً آپ بھی میری طرح سوچتے ہوں گے کہ بچپن میں جبکہ بچوں کی سوچ کا دائرہ کار صرف کھیل کھلونوں کے گرد ہی گھومتا ہے یہ کس ماں کا روشن چراغ تھا جس کی بلند خیالی اور پاکیزہ سوچ نے بچپن کا لاابالی پن چھین کر اسے موت اور آخرت کی فکر سے دوچار کر دیا۔ تاریخ کے اوراق پلٹیے۔ چودہ صدیاں پہلے امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک رات خواب آیا۔ دیکھتے ہیں کہ بنو امیہ کا ایک چشم و چراغ زخمی ہوگیا ہے۔ آپ نیند سے بیدار ہوئے اور فرمانے لگے: بنو امیہ کا یہ زخمی کون ہے؟ وہ عمر کی اولاد سے ہے۔ اس کا نام بھی عمر ہوگا۔ وہ عمر کے نقش قدم پر چلے گا اور روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

اب خاندان کی ہر عورت کی خواہش تھی کہ کاش! یہ خوش نصیبی اس کے حصے میں آئے لیکن قدرت نے جس پاکباز خاتون کو یہ سعادت بخشی وہ انتہائی متقی، پرہیزگار، علم کی دلدادہ اور احسان کا رویہ رکھنے والی خاتون تھی، جسے تاریخ ام عاصم کے نام سے جانتی ہے۔ جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ آپ کا نام لیلیٰ اور کنیت ام عاصم تھی۔ انھی کے بیٹے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے جنھیں تاریخ پانچویں ''خلیفہ راشد'' اور ''عمر ثانی'' کا خطاب دیتی ہے۔ ان کی والدہ ام عاصم کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک رات ان کی ماں نے کہا: بیٹی دودھ میں پانی ملا دو، پاکیزہ صفت بیٹی نے انکار کر دیا اور کہا: امیر المومنین نے منع کیا ہے۔ ماں نے کہا کہ وہ کون سا دیکھ رہے ہیں۔ بیٹی نے جواب دیا کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے! خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو رات کے وقت رعایا کی خبر گیری کے لیے گشت کیا کرتے تھے نے ماں بیٹی کا یہ مکالمہ سن لیا۔ انھیں اس لڑکی کا تقویٰ اس قدر پسند آیا کہ فوراً اپنے بیٹے کے لیے اس لڑکی کا رشتہ مانگ لیا۔ اس نیک خاتون نے بچپن ہی سے اپنی اولاد میں تقویٰ اور خشیت الٰہی کے بیج کچھ اس طرح بوئے کے بالغ ہو کر علم و عمل کے تناور درخت ثابت ہوئے اور نور ایمان کی کرنوں سے ایک عالم کو منور کرتے رہے۔ صرف عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہی نہیں بلکہ ان کی عابدہ و زاہدہ، سخی اور قرآن کی تلاوت کرنے والی بہن ام البنین بنت عبدالعزیز جن کے بارے میں سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے دور کی افضل ترین خاتون تھیں۔



ہمارے اسلاف کی بے مثال خواتین کی سنہری تاریخ ایسی لازوال اور شاندار مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ انھوں نے اپنے نونہالوں کی بچپن سے ہی تربیت اس نہج پر کی کہ آنے والے وقتوں میں وہ پختہ، مضبوط اور اعلیٰ ارفع اخلاق و کردار کا مالک ہونے کے ساتھ علم و عمل کا مینارۂ نور ثابت ہوں اور نہ صرف دنیاوی راحت وسکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں بلکہ اخروی سعادتوں کا بھی باعث ہوں۔ ایسی بلند رفعت و کردار کی مالک ماؤں نے ﴿قُوا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ کے ربانی حکم کو پختگی سے اپنے ذہنوں میں بٹھا کر تعلیم و تربیت کا فریضہ اس احسن طریقے سے سرانجام دیا کہ آنے والی نسلوں کے لیے روشن مثال بن گئیں۔

قارئین کرام! یہ تو تذکرہ تھا ہمارے اسلاف کی بے مثال ماؤں کا، اب ذرا موجودہ نسل کی مسلم ماؤں کی طرف نگاہ دوڑائیے! آہ! آج کی مسلمان ماں کو قرونِ اولیٰ کی ماؤں کے ایمان افروز واقعات کس قدر عجیب لگتے ہیں۔ موت کی یاد اور فکر آخرت سے عاری یہ روشن خیال مائیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات وفرامین سے سرعام بغاوت کرتے ہوئے طرح طرح کے بے ہودہ فیشنوں سے مزین لباس زیب تن کرکے، کھلے بال لہراتی اور میک اپ سے اٹے چہرے سے نامحرم مردوں کی ہوس انگیز نگاہوں کو خود دعوت نظارہ دیتی اور کھلے عام بازاروں میں گھومتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ ایسی مسلمان ماں جس کا اپنا دامن اخلاق فاضلہ اور صفات جلیلہ سے خالی ہے۔ بھلا وہ کب عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے پاکباز بیٹوں کو جنم دینے کے خواب دیکھتی ہوگی۔

قارئین کرام! ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جوں ہی مسلمان عورت نے دین سے دور ہوکر اپنی فطری حدود سے تجاوز کرتے ہوئے آزادی نسواں کے خوشنما نعرے سے مرعوب ہوکر اپنے حقوق کی جنگ کا آغاز کیا تو ں ہی وہ اپنے اس اعلیٰ و ارفع مقام سے جو اسلام نے اسے گھر کی ملکہ کی صورت میں عطا کیا سے گر کر ذلت و پستی کے اندھے کنویں میں گرتی چلی گئی، اغیار کی سازشوں کا شکار ہوکر وہ اپنے بنیادی فرائض بالخصوص نسل نو کی اسلامی خطوط پر تربیت جیسے اہم فریضے کو بوجھ سمجھنے لگی۔ معاشی تنگی کا رونا رو کر لیکن درحقیقت لبرل ازم کے فروغ کے لیے سڑکوں پر نکل آئی۔ سارا سارا دن دفتروں کی خاک چھاننے کے بعد شام کو گھر پہنچی تو گھر کے فرائض بوجھ نظر آنے لگے۔ نتیجتاً گھر کے کام کاج کے لیے خادمہ کے ساتھ بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیا کا انتظام کیا گیا اور یوں اپنے بنیادی فرائض سے پہلوتہی کرتے ہوئے پرائی عورت کے ہاتھ بچوں کی تربیت کا فریضہ سونپ کر نہ صرف خود مجرم بنی بلکہ بچوں کو بھی ان کے بنیادی حق سے محروم کیا۔

ہمارا مذہب اسلام جو عورت کے حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور جس کی تعلیمات قیامت تک ہر دور کے لیے راہنمائی ہیں وہ اگرچہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ضرورت کے پیش نظر یا کسی اعلیٰ و نیک مقصد کے حصول کی خاطر عورت باعزت پیشہ اختیار کرسکتی ہے۔ خصوصی طور پر تعلیم و تربیت کے شعبے میں دعوت واصلاح کے جذبے کے تحت معلّمہ کا پیشہ اختیار کرنا ایک مسلمان تعلیم یافتہ اور باشعور خاتون کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ مسلمان نسلوں کے اخلاق بگاڑ اور ان میں فحاشی و عریانیت کے فروغ کے لیے کافروں نے سازشوں کے جال بچھا رکھے ہیں اور یہود و نصاریٰ کی سرپرستی میں چلنے والی ہزاروں NGO,s جو فلاح و بہبود کے نام پر اپنے درپردہ گھناؤنے مقاصد کے حصول کے لیے تعلیمی میدان کو اپنا ہدف بنائے ہوئے ہیں اور اپنے ناپاک عزائم کے حصول کے لیے لاکھوں کروڑوں ڈالر خرچ کررہی ہیں۔ ان کی مکروہ سازشوں کو سمجھنا اور ان کے تباہ کن اثرات سے نسل نو کو بچانا اور اسلامی اقدار و روایات سے انھیں روشناس کراتے ہوئے درست راستے کی طرف ان کی راہنمائی کرنا ایک مسلمان تعلیم یافتہ خاتون کے لیے ازحد ضروری ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ماں کی گود بچے کی اولین درسگاہ ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ آج کل کی مسلمان ماؤں نے وہ درس بھلا دیا جو قرونِ اولیٰ کی مسلمان مائیں اپنے بچوں کو دیا کرتی تھیں۔ مجھے ایک نام نہاد اعلیٰ تعلیمی ادارے کے Class One کے ایک طالبعلم کی بات یاد آرہی ہے کہ ایک روز اچانک اس نے مجھ سے سوال کیا کہ ٹیچر! لڑکے لڑکیوں سے دوستی کیوں نہیں کرسکتے؟ میرے پاپا تو کہتے ہیں کہ چھوٹے لڑکے لڑکیاں آپس میں دوستی کرسکتے ہیں؟ اور پھر معصومیت سے پوچھنے لگا کہ ٹیچر کیا میں اپنی ماما کو (Love Letter) لکھ سکتا



ہوں کیونکہ میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں اس بچے کی بات سن کر اس کی سوچ پر حیران ہوکر یکدم اس کا منہ دیکھنے لگی کہ بچے کے ناپختہ ذہن میں ماں سے محبت کے پاکیزہ جذبات کے اظہار کے لیے یہ گندی اصطلاح کیسے آئی؟ یہی بچہ بڑا ہوکر بھی یقیناً ایسی ہی سوچ کا حامل ہوگا۔

بہرحال جب اس کی ماں سے میں نے اس کے نورنظر کے خیالات کے بارے گفتگو کی تو وہ ہنسنے لگی اور یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ آج کل کے بچے کارٹونز میں سب کچھ سیکھ لیتے ہیں اور ویسے بھی جب یہ گھر میں ہوں تو مجھے بہت تنگ کرتے ہیں، لہٰذا میں اپنی جان چھڑانے کے لیے انھیں T.V کے آگے بٹھا دیتی ہوں۔ اس ماں کے نظریات وخیالات سن کر مجھے حقیقتاً دلی دکھ ہوا جو تربیت اولاد کے بنیادی فرض سے قطعاً غافل تھی۔ یقیناً بہت سی مائیں ایسی ہی سوچ کی حامل ہیں، کاش کے وہ جان لیں کہ بچپن میں ہی بچوں پر محنت کرکے ان کی احسن انداز میں تربیت کرکے انھیں اسلامی حدود و قیود کا پابند بنادیا جائے تو ان کے جوان ہونے پر ان کے نافرمان ہونے کا دکھ نہیں اٹھانا پڑے گا۔ کاش! آج کل کی مسلمان مائیں قرون اولیٰ کی مسلمان ماؤں کو اپنے لیے رول ماڈل بناتیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتیں جو عمارہ رضی اللہ عنہا، خنساء رضی اللہ عنہا کی صورت میں اپنے بچوں کو بہادری وشجاعت کا درس دیا کرتی تھیں۔ اور جب تک مسلمان مائیں خود اسلامی اقدار وروایات پر کاربند رہیں اللہ نے ان کی کوکھ سے ایسے بہادر، نڈر، میدانِ جہاد کے شاہسوار پیدا کیے جن کا نام لے کر کافر لرزتے تھے۔ کاش! آج کل کی ماؤں کے اندر وہ پاکیزہ روح پیدا ہوجائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی فرمانبرداری ہی کو وہ اپنی فلاح ونجات کا ذریعہ سمجھنے لگیں اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، اور اپنی آنے والی نسلوں کی بہترین تربیت کرکے انھیں اپنے لیے صدقہ جاریہ بنالیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ یا وہ علم جس کے ذریعے (مخلوق کو) فائدہ حاصل ہو یا اس کے لیے دعا کرنے والی نیک اولاد۔'' (صحیح مسلم:1631)

اے مسلمان ماں! کاش! تو جان لے کہ تیرے بچے تیرے پاس اللہ کی امانت ہیں اور تیری جنت و دوزخ بھی ہیں۔ اگر تو ان کی بہترین تربیت کرکے انھیں علم وعمل کے پیکر، بہترین اور باکردار و بااخلاق مسلمان بنائے گی تو تو نے اس امانت کی بہترین حفاظت کی۔ نتیجتاً تیرے یہ بچے تیرے لیے جنت میں جانے کا سبب بنیں گے اور اگر تو ان کی تربیت میں غفلت سے کام لے گی تو تو نہ صرف اللہ کی امانت میں خیانت کی مرتکب ٹھہرے گی بلکہ یہ اولاد تیرے لیے جہنم میں جانے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ یاد رکھ! اس اولاد کے بارے میں تجھے اللہ کے ہاں جوابدہ ہونا پڑے گا کیونکہ تیری اولاد تیری رعیت میں سے ہے اور تیری رعیت کے بارے میں تجھ سے روز قیامت سوال کیا جائے گا جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِه» ''تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' (صحيح البخاري: 893) امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بچے کی کفالت اور پرورش کرنا فرض ہے کیونکہ اگر اسے نظر انداز کردیا جائے تو یہ چیز اس کی تباہی پر منتج ہوگی جبکہ اس کو تباہی سے بچانا اسی طرح فرض ہے جس طرح اس پر خرچ کرنا اور ضرررساں چیزوں سے بچانا فرض ہے۔'' (محلی ابن حزم)

بچوں کو بچپن میں ناسمجھ اور چھوٹا خیال کرکے ان کے منفی طرز فکر اور غلط عادات کو نظرانداز کرتے رہنا انتہائی غلط رویہ ہے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ آغاز ہی سے بچے کو اس کی غلط کاریوں پر نہ صرف احسن انداز میں تنبیہ کی جائے بلکہ دوستانہ ماحول میں اس کی اس انداز میں تربیت کی جائے کہ شعوری طور پر وہ اخلاق حسنہ کو اپنانے کا عادی ہوجائے۔ موجودہ برق رفتاری کے اس دور میں جبکہ ہر طرف سوشل میڈیا کا دور دورہ ہے اپنے بچوں کے اوقات کار، مشاغل، دلچسپیوں اور خاص طور پر محبت پر کڑی نظر رکھی جائے۔ انھیں سوشل میڈیا سے ضرور منسلک رکھا جائے لیکن مخصوص اوقات میں اور اپنی نگرانی میں اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اس طرح اگر بچپن ہی سے انھیں اسلامی حدود و قیود کی پابندی کا درس دیا جائے گا تو ساری زندگی یہ باتیں پتھر پر لکیر



کی طرح اس کے ذہن میں نقش رہیں گی اور پھر زندگی میں پیش آمدہ مشکلات کے سامنے ایک مضبوط اور باکردار مومن بن کر ہمیشہ فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

یادرکھیے! حدیث مبارکہ کے مطابق اولاد انسان کی کمائی ہے۔ (سنن أبي داود: 28) اگر تو والدین اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے نیک جذبے کے تحت ایک اعلیٰ وارفع مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے تربیت اولاد کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں تو یقیناً اس کا پھل نیک اور فرمانبردار اولاد کی شکل میں اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور آخرت کا اجروثواب اس کے علاوہ ہوگا۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا یعنی اس فریضے سے کوتاہی برتی تو انجام بھی بھیانک ہوگا۔

بچوں کی تربیت کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب والدین کا ایسے تعلیمی اداروں کا انتخاب ہے جو اعلیٰ تعلیم کے نام پر درحقیقت بچوں کو سیکولرازم اور اخلاقی بے راہ روی کا درس دے رہے ہیں۔

شیخ محمد خضر سابق شیخ جامعہ ازہر مسلمانوں کے بچوں کو گمراہ کن مدارس اور اساتذہ کے پھندے سے بچانے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان سکولوں میں اپنی اولاد کو بھیجنے والا والدان کا خیرخواہ بننے اور ان کے اچھے انجام کا ثمرہ حاصل کرنے سے پہلوتہی کررہا ہوتا ہے۔ جب وہ انھیں داخل کراتا ہے تو وہ آئینے کی طرح صاف وشفاف ذہن کے مالک ہوتے ہیں لیکن وہ انھیں ایسے ماحول میں بھیج دیتا ہے جس کے مسئول امت مسلمہ کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ اسے جعل سازی سکھاتے رہتے ہیں اور اس کے ذہن میں برائی کا بیج بوتے رہتے ہیں..... یہ لوگ ایسے انداز میں اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں جس سے بچے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے..... جو شخص ان مشنری اداروں میں اپنے بچوں کو بھیجتا ہے وہ فرد واحد کا قاتل ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ کثیر التعداد افراد کو قتل کرتا ہے کیونکہ اس شخص کا ایک بیٹا بعد میں معلم بن کر کئی ایک مسلمانوں کے بچوں کے مذہب کو تباہ و برباد کرسکتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ان پادریوں نے اس کے دین و مذہب کو تباہ و برباد کیا۔''

قارئین کرام! مندرجہ بالا عبارت سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت جیسے حساس نوعیت کے معاملے میں والدین کو سیکولر اداروں کی بجائے ایسے تعلیمی اداروں کا انتخاب کرنا چاہیے جو ان کے بچوں کو نہ صرف بہترین اور باکردار و بااخلاق مسلمان بناسکیں بلکہ معاشرے کے مفید شہری بن کر اس کی تعمیر و ترقی میں مثبت اور فعال کردار ادا کرسکیں۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہماری نئی نسلوں کی آنکھ میں شرم و حیا پیدا کردے اور ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے اندر وہی پاکیزہ روح پیدا کردے جو ہمارے اسلاف کی مومنہ عورتوں کا خاصہ تھی۔ جنھوں نے آگے چل کر اسلام کے نامور سپاہی و مجاہد جنم دیے۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



ہم نے اس کا دل چرالیا

(عبداللہ اسد)

امام مالک بن دینار رحمہ اللہ کے ہاں ایک چور آگیا۔ ادھر ادھر سامان تلاش کرنے لگا مگر اسے کچھ نہ ملا۔ ہاں! ایک طرف مالک بن دینار رحمہ اللہ نماز تہجد پڑھ رہے تھے۔ جب امام مالک نے سلام پھیرا اور چور کی طرف دیکھا تو فرمانے لگے: ''تم دنیا کے سامان کی تلاش کی غرض سے آئے تھے مگر وہ تمھیں نہ مل سکا۔ کیا اب تم آخرت کے سامان کے متعلق کچھ چاہت رکھتے ہو؟ چور نے ہاں میں جواب دیا اور بیٹھ گیا۔ چور ان کی شخصیت وکردار سے حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ نے اسے وعظ ونصیحت کی۔ وہ اس قدر موثر ہوئی کہ چور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نماز فجر کا وقت ہوا تو دونوں ہی نماز کی طرف چل دیے۔ مسجد پہنچے تو لوگ حیران رہ گئے کہ وقت کا سب سے بڑا عالم وقت کے سب سے بڑے چور کے ساتھ!! انھوں نے مالک بن دینار رحمہ اللہ سے اس بارے میں سوال کیا تو وہ فرمانے لگے: ''یہ ہماری چوری کرنے آیا تھا مگر ہم نے اس کا دل چرالیا ہے۔'' (تاریخ الإسلام للذهبی: 144/2)



اسلام کے خواتین پر احسانات

قسط: ②

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق

ان نصوص میں ماں باپ دونوں کا حکم ہے۔ لیکن ماں باپ میں سے والدہ کا حق زیادہ اہم ہے۔ تبھی نبی علیہ السلام نے سائل سے کہا تھا کہ سب سے زیادہ تمھارے حسن سلوک کی مستحق تمھاری والدہ ہے۔ اور چوتھی مرتبہ والد کا ذکر کیا۔ یعنی والدہ کا حق کتنا مقدم ہے۔ کتنی شریعت نے تکریم دی! کتنا بڑا احسان ہے شریعت کا خواتین پر کہ ایک خاتون کو ماں کے روپ میں کیا شرف اور کیا مرتبہ عطا فرمادیا۔ اور یہ فہم سلف صالحین کا بھی تھا۔ خطیب بغدادی نے ایک خراسانی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ خراسانی یا افغانی سمجھ لو۔ وہ حج کرنے گیا تھا۔ اور اس کی پشت پیچھے ایک گٹھڑی تھی، اس کو اٹھائے پھر رہا ہے۔ حرم مکہ میں ایک مجلس درس جمی ہوئی ہے اور ایک محدث درس دے رہا ہے۔ پوچھا: «مَنِ الْمُحَدِّثُ» یہ کون محدث ہے؟ لوگوں نے کہا: عبداللہ بن عمر، نبی علیہ السلام کا صحابی عبداللہ بن عمر، امیر عمر بن خطاب کا بیٹا۔ تو رستہ بناتے ہوئے آگے بڑھا۔ جب مجلس ختم ہوئی، ان سے ایک سوال کیا کہ یہ گٹھڑی، اس میں میرا سامان نہیں ہے بلکہ میری والدہ ہے۔ اور میں اس طرح پشت پر اس کو لاد کر لایا ہوں۔ رستے پر خدمت کرتے ہوئے، پیدل۔ یعنی کہاں پر خراسان؟ یہ پرانا خراسان جس میں افغانستان، پاکستان، ایران یہ سارے علاقے ہیں۔ کہاں خراسان اور کہاں مکہ مکرمہ! پیدل لایا ہوں رستے میں خدمت کرتے ہوئے، صفائی ستھرائی کرتے ہوئے، کھلاتے پلاتے ہوئے اور پورا حج میں نے پیدل اپنی والدہ کو پشت پر اٹھا کر کیا۔ اور اب میں نے اسی طرح واپس بھی جانا ہے۔ اسی طرح واپس جاؤں گا۔ یہ کئی سال کی کلفت ہے۔ سوال یہ تھا کہ میں نے یہ سب کچھ کر کے اپنی ماں کا حق خدمت ادا کردیا؟ فرمایا کہ نہیں۔ یوں اشارہ کیا کہ کٹے ہوئے ناخن کے برابر بھی نہیں۔ پورا ناخن نہیں بلکہ جو ناخن کاٹتے ہو اس کٹے ہوئے ناخن کے برابر بھی ماں کا حق خدمت ادا نہیں ہوا۔ ایک خاتون کے لیے شریعت کتنی محسن ہے۔ ایک خاتون کا مقام کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ اللہ تعالیٰ دو حقوق کو ایک پیرائے میں ذکر کر رہا ہے۔ ایک ہی سیاق میں۔ ایک اپنا حق حقِ توحید اور دوسرا حقوق العباد میں سے ماں باپ کے حقوق۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے بھی ان دو چیزوں کو اسی سیاق میں جمع کیا جب آپ نے اکبرالکبائر کا ذکر کیا۔ بڑے بڑے گناہوں کی لسٹ آپ نے پیش کی تو فرمایا: «اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ» پہلے اللہ کے ساتھ شرک کرنا، دوسرا ماں باپ کی نافرمانی۔ (صحيح البخاري: 2654) اس کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا۔ کتنا مقدم حق ہے۔ اور شریعت ایک خاتون کو کہاں پہنچانا چاہتی ہے۔ اس کے کس شرف کا تعارف ہمارے سامنے پیش کرنا چاہتی ہے کہ جوں جوں یہ خاتون بچی سے بہن، بہن سے بیوی، بیوی سے ماں یہ مراحل آتے جارہے ہیں، ان تمام مراحل میں یہ خاتون ایک مرد کی مشارکہ ہے۔ اور توں توں اس کی عزت وتکریم میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، بڑھتی جارہی ہے۔ اور جو شریعت کی اپنی تکلیف ہے اس نے مردوں کو بھی مکلّف قرار دیا اور عورتوں کو بھی مکلّف قرار دیا۔ مرد بھی مکلّف ہیں، عورتیں بھی مکلّف ہیں۔ اس تکلیف میں شریعت نے جو توازن رکھا ہے وہ توازن بھی ایک عورت پر احسان ہے۔ جب اس کے مخصوص ایام آئیں نماز معاف ہے۔ ولادت ہوگی نماز معاف ہے۔

روزے آ گئے نہ رکھو، بعد میں قضا دے لو۔ بعد میں قضا کرلو۔ یہ آسانی پیدا کی۔ خواتین نے پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا ہم پر جہاد ہے؟ فرمایا کہ ہاں «جِهَادُ كُنَّ الْحَجُّ» تمھارا جہاد حج ہے۔ (صحيح البخاري: 2875) تم جا کر حج کرلو، تمھیں حج کا اجر ملے گا اور ایک مجاہد کا ثواب ملے گا۔ یہ تکریم نہیں ہے؟ کتنی آسانی اور کس قدر اجر وثواب کی بہتات ہے۔ «اِذَا صَلَّتِ الْمَرأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الجَنَّةَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ» ایک عورت اگر پانچ نمازیں پڑھ لے، رمضان کے روزے رکھ لے، اپنی عزت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرلے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: «ادْخُلِي» داخل ہوجاؤ۔ «مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ» جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہوجاؤ۔ تمھارے لیے جنت کے آٹھ دروازے کھلے ہیں، جہاں سے چاہو داخل ہوجاؤ۔ (مسند أحمد: 191/1) کام کیا ہے؟ صرف چار کام۔ حالانکہ خاتون کے لیے راحت ہی راحت ہے۔

ایک انسان کی سیاست کی دو قسمیں ہیں: سیاست خارجیہ اور سیاست داخلیہ۔ داخلی سیاست گھر کی سیاست، یہ تفریضہ عورت کا ہے۔ گھر کی ملکہ، گھر کی حکمران، گھر کی سیاست تیرے ذمے، تو اس گھر کی مالکہ ہے۔ سیاست خارجہ، صبح گھر سے نکلنا اور شام تک ٹکریں مارنا ارتزاق کے لیے، اکتساب کے لیے، یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔ عورت کو راحت ہی راحت ہے۔ اس راحت کے باوجود فرمایا کہ چار کام کرلے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے۔ یہ عورت کا مقام ہے۔ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ دو بچے تھے۔ اور کہا کہ تین دن سے بھوکے ہیں۔ تین دن سے نہ میں نے کچھ کھایا ہے نہ بچوں نے کچھ کھایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا گھر میں تین کھجوریں پڑی ہیں۔ وہ دے دیں تو اس خاتون نے ایک کھجور ایک بچے کو دی، دوسری دوسرے کو دی۔ بچے جھٹ سے کھا گئے۔ اور وہ خاتون کھانے لگی تو دیکھا کہ میرے بچے اس کھجور کو دیکھ رہے ہیں۔ تو اس نے خود نہیں کھائی، اس کے دو ٹکڑے کرکے دونوں بچوں کو کھلا دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حَامِلَاتٌ وَالِدَاتٌ مُرْضِعَاتٌ رَحِيمَاتٌ بِأَوْلَادِهِنَّ لَولَا مَا يَأْتِينَ إِلٰى اَزْوَاجِهِنَّ دَخَلَ مُصَلِّيَاتُهُنَّ الْجَنَّةَ» یہ عورتیں، یہ حمل کی تکلیف برداشت کرتی ہیں، پھر رضاعت کی، دودھ پلانے کی۔ پھر بچوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتی ہیں۔ محبت کا معاملہ کرتی ہیں۔ فرمایا کہ اپنے شوہروں کے ساتھ اگر یہ بدسلوکی نہ کریں تو نماز پڑھنے والی عورت کا ٹھکانہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (سنن ابن ماجه: 2013، والمعجم الاوسط للطبرانی: 179/7) یعنی ان امور کی بنا پر۔ حمل کی تکلیف، رضاعت کی تکلیف، بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کی تکلیف، بڑے صبر کے ساتھ وہ ان مراحل کو تہ کرتی ہے۔ فرمایا کہ اگر وہ نمازی ہو اور اپنے شوہر سے بدسلوکی نہ کرے تو اس کا ٹھکانہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ تو قرآن پاک نے، شریعت نے عورت کے جو فرائض ہیں ان میں بھی کمی کردی۔ اور اس کمی کے باوجود اجر میں اضافہ کردیا۔ اجر کو بڑھا دیا۔ فرائض میں کمی کردی لیکن ثواب کو بڑھا دیا۔ یعنی کس کس پہلو سے عورت کی تکریم اور اس پر احسان کیا۔ پھر عورت کی معاشرتی زندگی کے تعلق سے شریعت کے جو احکام ہیں وہ دین اسلام کی طرف سے ایک ایسی تکریم ہے کہ یہ تکریم اور کوئی نہیں پیش کرسکتا۔ کوئی مذہب، کوئی قانون، کوئی دستور اس تکریم کو پیش نہیں کرسکتا۔ یعنی شرعی احکام ایک عورت کے تعلق سے، ایک عورت کے پردے کے تعلق سے، گھر کی چار دیواری کے تعلق سے، اس کی چادر کے تحفظ کے تعلق سے، اس کی عزت کی حفاظت کے تعلق سے جو نظام اور جو احسان شریعت مطہرہ کا ہے وہ کسی اور دستور عالم کا نہیں ہے۔ کسی اور قانون میں نہیں ہے۔ ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ عورتو! اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ (الأحزاب 33:33) تمھارے گھر کی چار دیواری جس کی تم ملکہ ہو تمھارے لیے کافی ہے۔ اپنے گھر میں ٹکی رہو اس میں تمھارا تحفظ، اس میں تمھاری چادر کا تحفظ، تمھاری عزت کا تحفظ ہے۔ یہ کوئی ظلم یا جبر نہیں ہے بلکہ عورت کی رعیت ہے، اس رعیت کی حد اس کا گھر ہے۔ اس گھر میں اس کا رہنا اس کی تکریم ہے۔ یہ مردوں کو ایک طرح سے سمجھایا گیا ہے کہ عورتوں کا کام کے لیے گھر سے باہر نکلنا اس کا کوئی جواز نہیں۔ بلکہ پیغمبر علیہ السلام کی حدیث ہے کہ علامات قیامت میں سے عورت کا مردوں کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونا ہے۔ تو آج کا کلچر عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کا داعی ہے۔ مگر ہماری شریعت کہتی ہے: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ اپنے گھروں میں ٹکی

رہو۔ نبی علیہ السلام کے انتقال کے بعد نبی علیہ السلام کی بیوی ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں محصور ہوکر رہ گئیں۔ کسی نے کہا کہ تم کبھی تو گھر سے نکلو، کم از کم حج عمرہ کرنے کے لیے نکلو۔ جیسے اور عورتیں جاتی ہیں تو تم بھی چلی جایا کرو۔ کہا کہ نہیں۔ جو حج مجھ پر فرض تھا وہ کرچکی ہوں۔ عمرے بھی اپنے پیغمبر کے ساتھ، اپنے شوہر کے ساتھ کرچکی ہوں اب میرے پروردگار کا حکم ہے کہ میں اپنے گھر میں رہوں۔ میں اپنے پروردگار کے حکم کو رد نہیں کرسکتی۔ گھر ہی میں رہوں گی۔ ایک مسلم خاتون اس تکریم کو قبول کرتی ہے، جو شرف شریعت نے دیا اس کو قبول کرتی ہے اور گھر سے نکلنا پڑے تو اپنی پوری چادر کی حفاظت کے ساتھ، اپنے پردے کی حفاظت کے ساتھ نکلتی ہے۔ کیسی کیسی خواتین ہیں! نبی علیہ السلام کی ایک حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سنی۔ وہ حدیث کیا تھی؟ «مَنْ جَرَّ ثَوبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيهِ يَومَ الْقِيَامَةِ» جو شخص اپنے کپڑے کو گھسیٹے گا یعنی ٹخنے سے نیچے رکھے گا، اپنے کپڑے کو گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن نہیں دیکھے گا۔ اس کی طرف قیامت کے دن نہیں دیکھے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو سبل ازار ہے اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا، نہ اللہ اس کو دیکھے گا، نہ اس کو پاک کرے گا بلکہ اس کو عذاب الیم میں جھونک دے گا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنی۔ کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عورتوں کا کیا حکم ہے؟ یعنی لباس گھسیٹنے والا جہنمی ہے اور اللہ اس کو دیکھے گا نہیں۔ عورتوں کے لیے کیا حکم ہے، یہ تو ہمارے لیے پریشانی ہے کہ ہم بھی اوپر رکھیں۔ فرمایا کہ نہیں، تمھیں نیچے رکھنا ہے۔ «يُرْخِينَ» عورتیں اپنے لباس کو لٹکائیں گی۔ ٹخنوں سے نیچے رکھیں گی۔ کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اتنا تو کافی نہیں ہے۔ ٹخنوں سے نیچے کرلینا کپڑے کو اتنا کافی نہیں ہے۔ پاؤں کے کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ ایک عورت کی فکر دیکھیں۔ پاؤں کے کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ فرمایا کہ «يُرْخِينَ شِبْراً» تو پھر اپنی چادر پاؤں سے ایک بالشت نیچے کرلیں۔ جو اوپر کا عبایہ ہے یا جو بھی چادر ہے اس کو پھر اپنے پاؤں تک رکھے اور پاؤں سے ایک بالشت نیچے کرلے۔ کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں بھی پاؤں کے کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً: ہوا آتی ہے یا بعض اوقات موڑ مڑتی ہیں ہوا ٹکراتی ہے۔ اس میں بھی پاؤں کے کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ «فَيُرْخِينَ ذِرَاعاً» پھر ایک گز اس کو نیچے لٹکائیں۔ پورا ایک ہاتھ اس کو نیچے لٹکائیں۔ (جامع الترمذي:1 3 17) یعنی خواتین نے کس طرح اپنی اس تکریم کے پہلو کو قبول کیا۔ اور یہاں ایک بات بڑی آسانی سے آپ سمجھ جائیں گے۔ کچھ لوگ، ان میں علماء بھی ہیں، جو چہرے کی بے پردگی کے قائل ہیں۔ اس حدیث پر غور کرو! جو شریعت ایک عورت کے پاؤں ڈھانپ رہی ہے وہ اس کے چہرے کو ننگا کرے گی؟ یعنی پاؤں ڈھانپ رہی ہے، ایک ایک گز کپڑے کو لٹکاؤ۔ پاؤں نہیں کھلنا چاہیے تو کیا وہ شریعت عورت کے چہرے کو برہنہ کرے گی۔ یعنی تھوڑا سا تدبر کیجیے۔ یہ تکریم دین اسلام کی طرف سے ہے۔ ایک اور پہلو، پیغمبر علیہ السلام کی ایک اور حدیث۔ نبی علیہ السلام نے خواتین کو عیدگاہ آنے کا حکم دیا۔ عید کی نماز پڑھو۔ یہاں تک فرمایا کہ اگر مخصوص ایام ہوں پھر بھی آجاؤ۔ نماز نہ پڑھو مگر دعاؤں میں شریک ہوجاؤ۔ یہاں تک فرمایا کہ اگر تمھارے پاس جلباب نہ ہو تو تم اپنی کسی سہیلی سے مستعار لے لو، ادھار لے لو۔ یعنی عبایہ یا چادر میں لپٹ کر آؤ۔ اگر سہیلی کے پاس عبایہ نہیں ہے، ایک ہی ہے، چادر ایک ہی ہے تو دونوں اس ایک میں لپٹ کر آجاؤ۔ (صحيح البخاري: 351) سوال یہ کہ ایک بھی نہ ہو تو پھر نہ آؤ، پھر مجبوری ہے۔ حالانکہ معاملہ عبادت کا ہے۔ اور شریعت عبادت میں بھی عورت کو بلا رہی ہے پورے پردے کے ساتھ۔ تو غیر عبادت کے لیے، بازار جانا ہے، شاپنگ کرنی ہے، سیر وتفریح کے لیے جانا ہے، اس میں ایک عورت کی بے پردگی کا کوئی جواز بنتا ہے؟ یعنی شریعت عبادت کے لیے بھی کس اہتمام سے گھر سے نکال رہی ہے۔ تو پھر عبادت مقصود نہیں ہے بلکہ بازار میں دوسرے کام ہیں تو اس میں عورت کی بے پردگی کا کوئی جواز ہے؟ تو اللہ کا خوف کیجیے۔ یہ شریعت کیا چاہتی ہے؟ اور ایک عورت کو کیا تکریم دینا چاہتی ہے۔ اس کو ایک کنز مکنون بنا کر پیش کررہی ہے، ایک مخفی خزانہ جو پردے کے اندر ہے۔

یہاں تو کہا کہ جب چلو تو آہستگی سے چلو۔ قدموں کو پٹخ کر نہ چلو: ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ﴾ اپنے پاؤں پٹخ پٹخ کر نہ چلو۔ (النور 31:24) اللہ اکبر۔ تمھارے پاؤں کی جو آہٹ ہے یہ بھی پردہ ہے۔ اور بعض اوقات پاؤں میں اگر

پازیب پہنی ہے تو اس کی جھنکار بھی بے پردگی کا باعث بن سکتی ہے۔ نہ بھی پہنی ہو یہ جو آہٹ ہے پاؤں کی یہ بھی پردہ ہے۔ کسی اجنبی سے بات کرنی ہے تو کرخت ہوکر بات کرو۔ نرم نہیں۔ نرمی سے بات کرو گی تو اس کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔ اس کا شائبہ تک ختم کردیا۔ تو یہ شریعت ایک عورت کے تعلق سے کس قدر غیور ہے۔ ایک موقع پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں کسی اجنبی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں تلوار کی پشت سے نہیں بلکہ تلوار کی دھار سے وار کرکے اس کی گردن ہی اڑادوں گا۔(صحيح البخاري: 7416) جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سعد بن عبادہ کے ان جذبات پر منع نہیں کیا۔ یہ غیرت حق ہے۔ اور شریعت اس تعلق سے غیور ہے۔ ایک عورت کے تعلق سے شریعت کا یہ حکم بڑی غیرت پر مبنی ہے۔ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے: «مَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ» ''جو مرد اپنے اہل کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے۔''(جامع الترمذي: 1421) اس میں دو پیغام ہیں: ایک یہ کہ عورت کا دفاع کرے۔ یہ ہمارے معاشرے کی زینت ہے۔ یہ ہماری شریعت کی زینت ہے۔ اپنی عورت کا دفاع کرنا باقی معاشروں میں نہیں ہے۔ دوسرا کیا ہے؟ اگر دفاع کرتے کرتے تم نے مار دیا وہ خون معاف ہے۔ اگر تم قتل ہوگئے تو تم شہید ہو۔ تمھیں شہادت کا صلہ ہے۔ ایک عورت کے تعلق سے یہ غیرت ہے۔ دین اسلام اس غیرت کا داعی ہے۔ اس غیرت کا متقاضی ہے۔

چھوٹا سا تاریخی واقعہ یاد آگیا۔ قاضی موسیٰ کی مجلس میں ایک عورت پیش ہوئی۔ اس عورت کے اولیاء باپ یا بھائی وغیرہ بھی تھے۔ انھوں نے اس عورت کے شوہر کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ شوہر نے پانچ سو دینار حق مہر مقرر کیا تھا۔ اب وہ دینے سے انکار کرگیا ہے۔ اور اس نکاح میں فلاں بھی گواہ تھا، فلاں بھی گواہ تھا، فلاں بھی گواہ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ گواہی گھر کے فرد کی تو نہیں چلے گی۔ بچی کی گواہی اس کا باپ تو نہیں دے گا۔ وہ اس کے اہل میں سے ہے۔ گواہی تو غیر ہی دے گا۔ تو قاضی نے کہا: گواہ پیش کرو۔ شوہر بھی بیٹھا ہوا ہے، عورت بھی موجود ہے۔ اور دو تین گواہ پیش ہوگئے۔ اس مجلس نکاح میں ہم تھے اور یہ مہر ہم نے سنا تھا۔ انھوں نے یہ گواہی دینی تھی۔ مگر شہادت کے سارے مراتب پورے کرنے کے لیے قاضی نے یہ حکم دیا کہ یہ جو گواہی دینے والے مرد ہیں پہلے اس خاتون کو دیکھیں گے تاکہ پہچان سکیں کہ وہی خاتون ہے۔ کوئی دھوکا نہ ہو، کوئی دغا نہ ہو تاکہ گواہی پوری معرفت کے ساتھ ہو۔ اور پورے وثوق کے ساتھ ہو۔ چنانچہ عورت کو کشف وجہ کا حکم دیا کہ اپنے چہرے کو ذرا بے نقاب کرو اور اپنے پردے کو ہٹا کر گواہوں کو دیکھنے کا موقع دو۔ مرد پیچھے سے بول اٹھا: میری بیوی کو، اس کے چہرے کو برہنہ نہ کیا جائے وہ مہر میں قبول کرتا ہوں۔ وہ پانچ سو دینار میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ ہے غیرت۔ عورت نے سنا کہ میرا شوہر اس طرح میری غیرت کا محافظ ہے۔ اس نے کہا: میں نے اپنے شوہر کا مہر معاف کردیا۔ یہ پانچ سو دینار میں نے معاف کردیے۔ یہ قاضی عش عش کر اٹھا۔ «اِجْعَلُوهَا فِي مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ» اس واقعے کو سونے کے پانی سے لکھو۔ مکارم اخلاق میں یہ واقعہ ہمیشہ زندہ اور تابندہ رہے گا۔ یہ دینی غیرت ہے۔ یہ غیرت کس نے دی؟ یہ احکام کہاں سے آئے؟ یہ دین اسلام کے محاسن ہیں، ہماری شریعت کس طرح روشنی مہیا کرتی ہے۔ اور کس طرح ایک خاتون کی تکریم کی محافظ ہے۔ بس خواتین اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، روزوں کی، نمازوں کی، دیگر جو شرعی احکام ہیں ان کی حفاظت اور پھر جو بعض چیزوں سے روکا گیا، مثلاً: شوہر کی ناشکری، نافرمانی اور زبان کی حفاظت، زبان پر طعن و ملامت نہ ہو۔ گالی گلوچ نہ ہو۔ نبی علیہ السلام کے سامنے دو عورتوں کا ذکر ہوا: ایک عورت، اس کی حسن عبادت کا ذکر ہوا اور اس کی فیاضی کا ذکر ہوا۔ مگر صحابہ نے کہا ہے کہ «تُؤْذِيْ جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا» زبان کی میٹھی نہیں ہے۔ اپنے پڑوسیوں کو ہمیشہ اس نے پریشانی اور تکلیف میں ڈال رکھا ہے۔ فرمایا کہ «هِيَ فِي النَّارِ» یہ عورت جہنم میں جائے گی۔ اس کی عبادتیں کہاں گئیں، محنتیں، نمازیں، صدقے اور خیرات کہاں گئیں۔ ایک اور عورت کا ذکر ہوا۔ غریب ہے۔ فرض کا اہتمام کرتی ہے۔ نوافل کا اہتمام نہیں کرپاتی۔ صدقہ نہیں دے پاتی۔ اور کبھی کبھی پنیر کے کچھ ٹکڑے خرچ کرتی ہے، سخاوت کرتی ہے۔ مگر «لَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا» زبان کی میٹھی ہے۔ اخلاق اچھے ہیں کسی کی غیبت نہیں کی، کسی کی چغلی نہیں کی۔

سب وشتم نہیں کیا۔ گالی گلوچ نہیں کی۔ زبان کی اچھی ہے۔ فرمایا: «هِيَ فِي الجَنَّةِ» اپنے حسن خلق کی بنا پر جنت کی مستحق ہے۔ (مسند أحمد: 440/2) تو بہت تھوڑی ذمہ داری ہے۔

اللہ کے پیارے پیغمبر نے عید کا خطبہ ارشاد فرمایا: آپ نے محسوس کیا کہ اس دفعہ مجمع بڑا ہے میری آواز پیچھے نہیں گئی ہوگی۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خواتین کے اجتماع میں چلے گئے۔ انھیں بھی کچھ نصیحت کی اور دو باتیں خاص طور پر ارشاد فرمائیں: «يَامَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ وَاَكْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ» اے عورتو! کثرت سے صدقہ دو اور کثرت سے استغفار کرو۔ «فَاِنِّي رَأَيْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ» میں نے جہنم میں تمھیں زیادہ دیکھا ہے۔ تم جہنم میں زیادہ ہو اور مرد کم ہیں۔ ایک عورت نے ہمت کر کے پوچھ لیا: یارسول اللہ ﷺ! کیوں؟ فرمایا: دو اسباب ہیں: «تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ» تمھاری زبانوں پر لعن طعن بہت ہوتا ہے۔ غیبتیں، ملامتیں، گالی گلوچ بہت کرتی ہو۔ «وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ» اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔ ان دو اسباب کی بنا پر تم جہنم میں زیادہ ہو۔ (صحیح مسلم: 79) لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ خواتین جنت میں کم ہوں گی۔ خواتین جس طرح جہنم میں مردوں سے زیادہ ہیں اس طرح جنت میں بھی مردوں سے زیادہ ہوں گی۔ اس کی دلیل نبی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ جنت میں ہر مرد کو ستر حوروں کے ساتھ ساتھ دنیا کی دو عورتیں دی جائیں گی۔ یعنی جو مردوں کی تعداد ہے اس سے دگنی تعداد عورتوں کی ہے۔ یہ شرف نہیں؟ ایک خاتون کے لیے یہ تشریف نہیں ہے؟

باقی جو لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں ہمارے دین اسلام پر، وہ سب کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ یہ اسلام کو بدنام کرنے کی سازش ہے کہ عورت کی کیا تکریم ہے؟ اس کی گواہی آدھی، اس کی دیت آدھی، اس کی میراث آدھی، ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ کہ بیٹے کا حصہ دگنا ہے اور عورت کا حصہ اس سے آدھا۔ (النسآء 11:4) تو کیا تکریم ہے؟ بھائی یہ تکریم ہے۔ تم نہیں سمجھتے۔ اگر مرد کو دگنا دیا جا رہا ہے، عورت کو آدھا دیا جا رہا ہے تو عورت کا سرمایہ جو اس کو حاصل ہے، وہ منجمد کر سکتی ہے۔ اس کو خرچ نہ کرے اپنے لیے محفوظ رکھے۔ اسے اختیار ہے لیکن مرد، اس کے ذمے کفالت ہے۔ عورتوں کی کفالت، بہنوں کی کفالت، بیٹیوں کی کفالت۔ مرد نے تجارت کرنی ہے۔ اسے کسی نفع بخش کاروبار پے لگا سکتا ہے۔ لیکن ایک عورت نے کچھ نہیں کرنا۔ اس کو صرف مال ملنا ہے۔ اس کی ذمے داری میں کسی کی کفالت نہیں۔

اگر آپ حساب لگائیں گے تو عورت کو زیادہ نوازا جا رہا ہے۔ عورت کی دیت آدھی ہے۔ مرد کی دیت پوری ہے۔ مرد کی دیت سو اونٹ ہے اور عورت کی پچاس اونٹ۔ بھئی! تھوڑا سا سوچو کہ ایک بیوی اور شوہر ہے۔ اگر شوہر قتل ہو جائے تو اس کی دیت سو اونٹ ہے وہ کس کو ملے گی؟ وہ اس کی بیوی کو ملے گی۔ عورت قتل ہو جائے اس کی دیت پچاس اونٹ ہے۔ کس کو ملے گی؟ مرد کو۔ زیادہ مال کس کو مل رہا ہے؟ عورت کو یا مرد کو۔ یعنی شریعت اس حکم کے ذریعے کس کو نواز رہی ہے؟ یہ سب کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ اسلام کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو تکریم اور جو احسان اس شریعت کا ایک خاتون کو میسر ہے وہ کسی اور معاشرے میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بعض مسائل پر، ان فرمودات پر عمل کی توفیق دے اور اس شریعت کے حسن کو ہم اپنے اوپر قائم کریں اور اپنے آپ کو اچھا بنائیں۔ شریعت کے تناظر میں اپنے آپ کو حسین بنائیں تاکہ کل ہم اللہ تعالیٰ کو پسند آجائیں۔ جو اللہ کے پیغمبر کی دعا ہے کہ یااللہ! تجھ سے دو چیزوں کا سوالی ہوں: ایک مجھے اپنے چہرے کے دیدار کی لذت عطا فرما دینا اور دوسرا مجھے، میرے دل کو اپنی ملاقات کے شوق سے بھر دے۔ یہ شوق کیا ہے؟ میرے اندر تیری ملاقات کا شوق پیدا ہو جائے۔ جب شوق پیدا ہوگا پھر آپ تیاری کریں گے نا۔ کسی بچھڑے ہوئے عزیز کے آنے کی، آمد کی اطلاع مل جائے اب ملاقات کا شوق آپ کے اندر پیدا ہوگا۔ اس کی تیاری کریں گے۔ اس کا اہتمام کریں گے۔ اچھے پکوان بنوائیں گے۔ اچھے کپڑے پہنیں گے۔ تو یااللہ! میرے اندر، میرے دل میں تیری ملاقات کا شوق پیوست ہو جائے۔ ہر وقت کی ملاقات جو میرے سامنے رہے اس کی میں تیاری کروں۔ ایسا بن کر روز قیامت تیرے سامنے آؤں کہ میں تجھے پسند آجاؤں۔ تجھے اچھا لگوں۔ اللہ پاک اس کی توفیق دے۔ وَاَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِي وَلَكُمْ وَاٰخِرُدَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ.



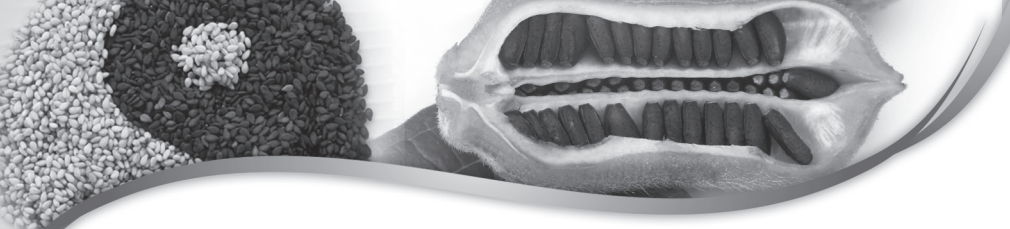
تِل

دیکھنے میں چھوٹا افادیت میں بڑا

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کئی طرح سے مہربان ہے۔ اسی لیے اس نے ہمارے لیے انواع و اقسام کے پودے و جانور پیدا کر کے ہم پر کرم نوازی کی ہے۔ سیسم (SESAME) ایک ایسی مثال ہے جس سے انسان بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ سیسم ایسا پھولدار پودا ہے جس کے بیجوں (Seeds) سے کئی فوائد سمیٹے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس پودے کے بیج کو تل کہا جاتا ہے۔ یہ وہی تِل ہے جنھیں نان کلچے پر لگایا جاتا ہے۔ بلکہ کلچے پر جتنے زیادہ تل لگے ہوں وہ اتنے ہی عمدہ اور لذیذ سمجھے جاتے ہیں۔ سیسم ایک پھولدار پودا ہے جس کا سائنسی نام ہے۔ SESAMUM INDICUM جبکہ اس کے خاندان کا نام "PEDALIACEAE" ہے۔ یہ پودا فطری طور پر افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ البتہ اس کی کچھ انواع (Species) برصغیر پاک و ہند میں بھی رپورٹ ہوئی ہیں۔ تاہم تِلوں کی افادیت و اہمیت کے باعث دنیا بھر میں انھیں کاشت کیا جاتا ہے۔ انسان لگ بھگ تین ہزار سال سے تِل استعمال کر رہا ہے۔ شروع شروع میں اس پودے کے بیج جنگلوں سے لیے گئے۔ خوش ذائقہ اور تیل آور ہونے کی وجہ سے انسان نے اس پودے کی کاشت شروع کر دی۔ مزید برآں اللہ رب العزت نے اس پودے کو یہ صفت بھی دی ہے کہ کم پانی اور خشک سالی میں بھی اگ آتا ہے اور نارمل انداز میں بیج (تِل) پیدا کرتا ہے۔ یہ پودا صرف ایک سال بیج پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد نئی فصل لگانا ہوتی ہے۔ پودے کی بلندی 1.6 سے 3.3 فٹ ہوتی ہے۔ اس پر لگے پتے 4 سے 14 سینٹی میٹر لمبے اور 3 سے 5 سینٹی میٹر چوڑائی میں ہوتے ہیں۔ سیسم پودے پر پیلے یا بھورے سے پھول لگتے ہیں۔ جو 3 سے 5 سینٹی میٹر لمبے اور لمبوترے (Tubular) ہوتے ہیں۔ سیسم پودے پر کاسنی، نیلے اور سفید پھول بھی اگتے ہیں۔ اس کا دارومدار اقسام پر ہے۔ اس پودے کے پھل کو کیپسول (Capsule) کہا جاتا ہے جبکہ اس کی لمبائی 2 سے 8 سینٹی میٹر ہوسکتی ہے۔ اس پھل کی چوڑائی 0.5 سے 2 سینٹی میٹر ہوتی ہے۔ اس پھل کے پک کر پھٹنے سے بیج خارج ہوتے ہیں جنھیں ہم تِل کہتے ہیں۔ ان بیجوں کی لمبائی 3 سے 4 ملی میٹر اور چوڑائی 1 سے 2 ملی میٹر ہوتی ہے۔ جبکہ ان کی موٹائی صرف 1 ملی میٹر ہوتی ہے۔ بیج گولائی میں ہوتے ہیں۔ بیجوں کا وزن 15 سے 40 ملی گرام ہوتا ہے۔ تِلوں کا چھلکا ہموار اور نرم ہوتا ہے۔ تِلوں کا رنگ بادامی، سفید، سیاہ، نیلا، پیلا، بھورا، سرخ، سرمئی وغیرہ ہوتا ہے۔

ماہرین کے خیال میں سیسم سب سے پرانی تیل آور فصل ہے جسے انسان نے تیل کے لیے باضابطہ کاشت کرنا شروع کیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم مصری بھی انھیں کاشت کرتے تھے۔ لٹریچر میں تل کو مصری لوگ "SESMET" لکھتے تھے۔ اردو کے علاوہ عرب کے لوگ بھی اسے سیسم پکارتے ہیں۔ البتہ اہل فارس سیسم کو فارسی زبان میں ''کنجد'' لکھتے اور پکارتے ہیں۔ خوش ذائقہ ہونے کی وجہ سے دنیا کی شاید کوئی تہذیب ہو جو ان کو استعمال نہ کرتی ہو وگرنہ درجنوں اقسام کے کھانوں میں تِل استعمال ہوتے ہیں۔ ترکی میں ڈھائی ہزار سال سے لوگ تِلوں کا تیل نکال کر استعمال کر رہے ہیں۔ گو یہ پودا کم پانی میں اُگ آتا ہے۔ لہٰذا کسانوں کو اس فصل کو پانی دینے کی ضرورت کم پڑتی ہے۔ البتہ دیگر پودوں کی طرح اس فصل کو بھی گوڈی، مٹی اور زرخیزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ ایسی مٹی جو دلدل یا کیچڑ ہو اور ایسی مٹی جس میں نمکیات



بہت زیادہ ہوں وہاں فصل کی پیداوار نہیں ہوتی اور پودے کے ساتھ ساتھ کاشتکار کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ موسم بہار جب درجہ حرارت 20 سینٹی گریڈ سے زیادہ ہو تو سیسم کے پودے عمدہ نشوونما دکھاتے ہیں کیونکہ اس موسم میں دھند نہیں پڑتی اور درجہ حرارت بھی بہت زیادہ یا بہت کم نہیں ہوتا۔

یوں تو سیسم فصل دنیا بھر میں معاشی لحاظ سے اہم فصل شمار ہوتی ہے۔ تاہم دنیا کے کچھ علاقے و ممالک ایسے بھی ہیں جہاں پیداوار کے لحاظ سے تِل کی فصل ملکی ترقی و آمدنی میں بھی کردار ادا کرتی ہے۔ میانمر (برما)، بھارت، چین، سوڈان، تنزانیہ، اٹلی، امریکہ وغیرہ لاکھوں ٹن تِل ہر سال پیدا کرتے ہیں۔ پاکستان میں بھی کچھ لوگ سیسم کی فصل اگاتے ہیں لیکن عالمی سطح پر یہ بہت کم ہے اور بمشکل ملکی وقومی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ البتہ دنیا بھر میں تِلوں کی تجارت ایک ارب ڈالر سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیسم معاشی لحاظ سے اہم پودا ہے اور اس کی تجارتی پیمانے پر کاشت منافع بخش ہے۔ دنیا بھر کے ممالک تِل حاصل کرنے کے لیے مذکورہ ممالک سے خریداری کرتے ہیں تاکہ اپنے اپنے ملک کی ضرورت کو پورا کرسکیں۔ جاپان، امریکہ، کینیڈا، ہالینڈ، ترکی، فرانس تِل خریدنے والے بڑے ممالک ہیں۔ گو چین بڑی مقدار میں تِل پیدا کرتا ہے لیکن ملکی آبادی اس قدر ہے کہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے باہر سے بھی تِل خریدتا ہے۔

شروع میں بیان ہوا ہے کہ تِل فرحت بخش، خوش ذائقہ اور لذت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لیے بیکری پروڈکٹس سے لے کر گھروں کی تیار کردہ ڈشوں و کھانوں تک میں بھی ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لذت کے ساتھ ساتھ تِل غذائیت کے اعتبار سے بھی بینظیر ہیں۔ تِل کاربوہائیڈریٹس کا خزانہ ہے۔ ان بیجوں میں ریشے (Fibers)، چکنائیاں اور پروٹینز بکثرت پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ تلوں میں تیل پایا جاتا ہے اس لیے تحقیق سے معلوم ہے کہ 100 گرام تلوں میں 50 گرام تک چکنائیاں پائی جاتی ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ تیل حاصل کرنے کے لیے تِل عمدہ ذریعہ ہیں کیونکہ ان میں پروٹینز بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے ان کی غذائی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ تلوں میں تھامین (وٹامن B 1)، رائبوفلیون (وٹامن B 2)، ہناسن (وٹامن B3)، فولیٹ (وٹامن B9) اور وٹامن C (سی) بھی موجود ہے۔

سیسم کے بیجوں (تِل) میں نمکیات کی بھی کمی نہیں۔ پروردگار عالم نے تلوں میں کیلشیم، آئرن، میگنیشیم، منگنیز، فاسفورس، سوڈیم، پوٹاشیم اور زنک (Zinc) وغیرہ بھی خاصی مقدار میں پیدا کیے ہیں۔ یہ نمکیات صحت، تندرستی، بالوں کی افزائش، جلد کی مرمت، ازدواجی زندگی کے پرمسرت لمحات، دماغ کی کارکردگی وغیرہ پر بڑے موثر ہیں۔ ان کے علاوہ تلوں میں کئی کیمیائی مادے بھی موجود ہیں، مثلاً: "LIGNANS" نامی کیمیائی مادہ ہماری سکن یا جلد کو چمکدار رکھتا ہے اور بڑھاپے کے عمل کو سست کرتا ہے۔ اسی طرح "PINDRESINOL" خون میں شوگر کی مقدار کو کم کرتا ہے۔ تِل میں لگ بھگ (100 گرام میں) 4 گرام تک پانی بھی ہوتا ہے۔

قارئین نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ برگر، بن، چینی یا گڑ کی گولیوں (گیندنما) اور فاسٹ فوڈ ریستوران کی اشیاء پہ بھی تِل لگے ہوتے ہیں۔ تل تازہ ہوں یا روسٹ دونوں صورتوں میں ان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ کانگو، انگولا اور دیگر افریقی ممالک میں مچھلی کو روسٹ یا تلنے کے بعد اس پر تل لگا کر کھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بیکری کے تیار کردہ بسکٹ و دیگر اشیاء پر تِل لگے ہوتے ہیں جو ذائقے اور فائدے میں اضافہ کرتے ہیں۔ عرب دنیا میں تِل کو پیس کر پاؤڈر کی شکل دے دی جاتی ہے۔ یہ پاؤڈر کھیر اور حلوہ جات وغیرہ پر چھڑک کر کھایا جاتا ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں خواتین ناریل پاؤڈر استعمال کرتی ہیں۔ اسی طرح عرب کی خواتین تل پاؤڈر سویٹ ڈشیز میں ڈالتی ہیں۔ فلپائن، جاپان اور کوریا کے لوگ تل کو روسٹ کر لیتے ہیں اور بھونے ہوئے تل کھانے میں خوشبو کے لیے ڈالتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ سیسم پودے کے پتے (Leaves) کوریا کے لوگ بطور سبزی استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح پودینے یا نیاز بو (Niazboo) کے پتے چٹنی بنانے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح سیسم کے پتوں سے بھی یہ کام لیا جاتا ہے۔

یوں تو تِل کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ تاہم کبھی کبھار کچھ لوگوں کو تِل کھانے سے الرجی بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن اس الرجی کی شرح خوش قسمتی سے خاصی کم ہے، مثلاً: آسٹریلیا میں تجربات و مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ سیسم

کے بیج کھانے سے چند افراد کو الرجی ہوئی۔ آنکھوں اور ہونٹوں میں سوجن، ناک میں خارش وغیرہ اس الرجی کی علامات ہیں۔ کہا جاتا ہے زیادتی ہر چیز کی بری ہے۔ اسی طرح تل بھی اتنے کھانے چاہئیں کہ الرجی کی نوبت نہ آئے۔ لیکن مجموعی طور پر سیسم پودے سے حاصل ہونے والے تل طبی فوائد رکھتے ہیں۔ ان کے کھانے سے ہمارے بالوں، جگر و دل پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں خاصا کیلشیم موجود ہے۔ اسی لیے تِل کھانے سے آنت کے کینسر، جوڑوں کے درد، حیض کی تکالیف و درد اور ہڈیوں کی کمزوری کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ جسم مضبوط اور چاق و چوبند رہتا ہے۔ چونکہ تِل زنک کا خزانہ ہیں۔ اس سے قوتِ باہ میں اضافہ، ریڑھ کی ہڈی اور کولہے کی ہڈیوں میں طاقت آتی ہے۔

قارئین کو یقیناً اندازہ ہوگا کہ دنیا بھر کے ادب کی طرح اردو ادب میں بھی سیسم پودے اور تِل کا ذکر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ''تل دھرنے کی جگہ'' اور ''ان تلوں میں تیل نہیں'' جیسے محاورے اردو ادب کے درجنوں شہکاروں میں ملتے ہیں۔ پروردگار نے ہمارے لیے بے شمار نعمتیں اس لیے پیدا کی ہیں کہ ہم ان سے فائدہ حاصل کریں اور اپنے رب کے شکرگزار بندے بن جائیں۔ سردی کا موسم شروع ہے۔ ہمارے پاس سنہری موقع ہے کہ ہم اپنے رب کی نعمتوں سے استفادہ کر کے صحت جیسی دولت حاصل کریں۔ کیونکہ صحت مند انسان زیادہ اچھے طریقے سے عبادات اور حقوق العباد ادا کرسکتا ہے۔



ابوعبداللہ
Sh.Siddiq7@Gmail.com

ضیائے حدیث
کوئز پروگرام

ماہِ نومبر کے درست جوابات

① انبیاء کے نام پر سورتوں کے نام: یونس، ہود، یوسف، ابراہیم، محمد، نوح علیہم السلام۔
② سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے کاتب خاص تھے جو وحی الٰہی لکھا کرتے تھے۔ (مسلم: 2501)
③ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صفر کے منحوس ہونے میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔'' (البخاری: 5717)
④ علامہ اقبال رحمہ اللہ کا شعر:

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ — املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ — شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ تک فری رسالہ پانے والوں کے نام

حافظ محمد عمران (بورے والا) بنت محمد صدیق (ٹوبہ ٹیک سنگھ) ہادیہ بنت محمد آصف (ساہیوال) محمد طاہر (فیصل آباد) عبدالمنان (کراچی) نذیر اسد (گوجرانوالہ) ارشد کمال، حسن عبداللہ (لاہور) رائحۃ الجنۃ (نارووال) مطیع الرحمٰن (ننکانہ)

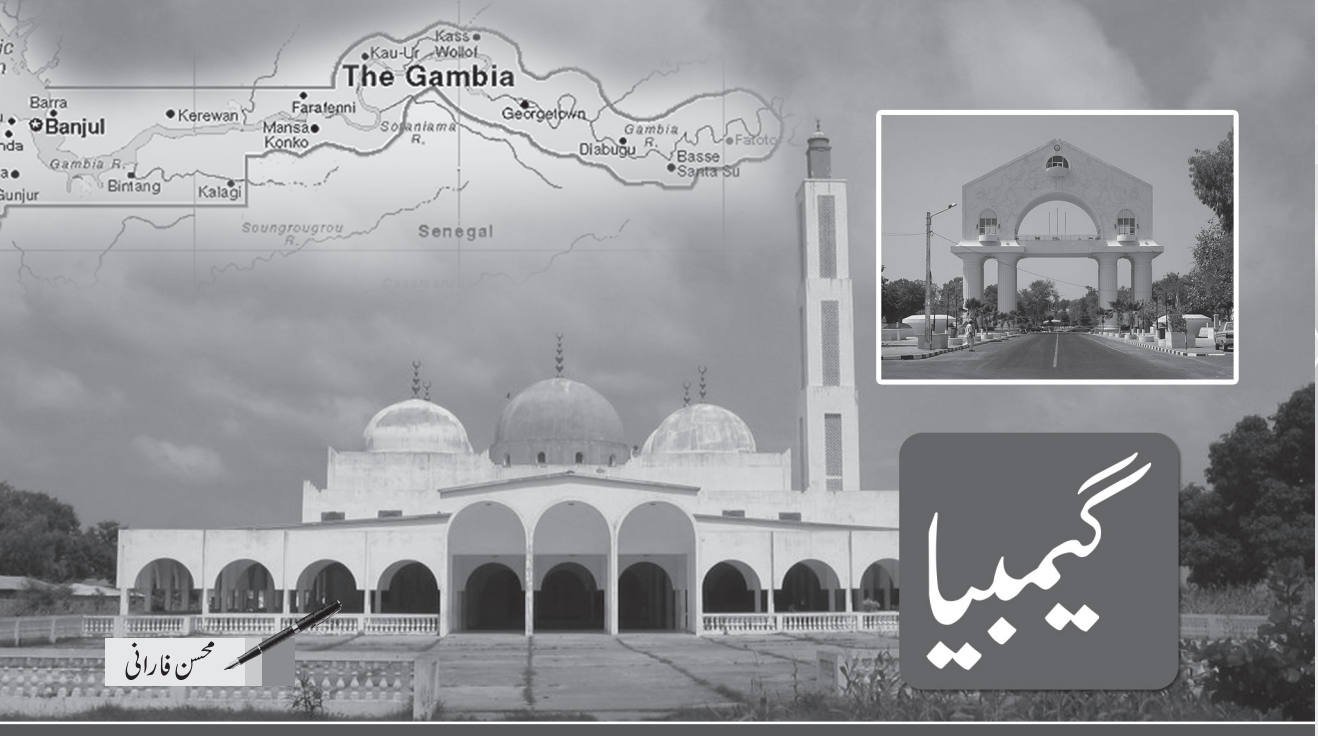
عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① اس نے مجھے فجر کے لیے اٹھایا اور پھر اس کے بعد میں نے نماز کی پابندی شروع کردی۔
② آج کل کے بچے کارٹونز میں سب کچھ سیکھ لیتے ہیں۔
③ جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کا مقصد حکمران کے خلاف بغاوت نہ ہو۔
④ محض کسی کے چاہنے سے اس کے لیے مشرق و مغرب (دنیا) جمع نہیں ہوسکتی۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① قرآن مجید میں مذکور نبی ﷺ کی صفات میں سے تین صفات لکھیں؟
② رسول اللہ ﷺ کو بچوں سے بہت پیار تھا، کوئی مختصر حدیث یا واقعہ لکھیں؟
③ رسول اللہ ﷺ کی تاریخ وفات کیا ہے؟
④ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

نوٹ: جوابات 15 تاریخ تک دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' پہنچنا ضروری ہیں۔



گیمبیا

محسن فارانی

مغربی افریقہ کا غریب ملک جہاں سادہ و روشن جبیں سیاہ فام بستے ہیں

گیمبیا ایک نظر میں

نام: جمہوریہ گیمبیا
دارالحکومت: بنجول
رقبہ: 10,689 مربع کلومیٹر
آبادی: 18,82,450 (2013ء)
مذہب: اسلام
زبانیں: مینڈنکا، فولا، وولوف، سریر، جولا
قومی زبانیں: مینڈنکا، فولا، وولوف، سریر، جولا
سرکاری زبان: انگریزی
نظامِ حکومت: صدارتی جمہوریہ
سکہ: ڈلاسی (GMD)

گیمبیا کی تاریخ

مغربی افریقہ کے اس ملک کی قدیم تاریخ تاریکی کے پردے میں ہے۔ چوتھی صدی میں قائم ہونے والی سلطنت غانا سینی گال اور گیمبیا (بحراوقیانوس) سے ٹمبکٹو (مالی) تک پھیلی ہوئی تھی۔ مراکش سے تعلق رکھنے والے عرب تاجروں نے سب سے پہلے گیمبیا کا ذکر دسویں صدی عیسوی میں کیا ہے۔ گیارہویں صدی (پانچویں صدی ہجری) میں تحریک مرابطین کے مبلغین یہاں پہنچے اور اپنے مراکز (رباط) قائم کیے۔ یہ امیر ابوبکر مرابطی اور امیر یوسف بن تاشفین کا زمانہ تھا۔ یوسف بن تاشفین نے مراکش شہر بسایا اور وہاں سے مراکش ملک، الجزائر، مغربی افریقہ اور اندلس (سپین) پر حکومت کی۔ شمالی افریقہ کے عرب تاجر گیمبیا اور سینی گال سے ہاتھی دانت، سونے اور غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ بارہویں صدی میں دریائے سینی گال کے آس پاس سلطنت تکرور قائم ہوئی جس کے حکمران مسلمان تھے اور ان کے درباری عربی زبان و ادب کے ماہر تھے، چنانچہ اس دور میں گیمبیا میں اسلام کو بہت فروغ ملا۔ اس کے بعد یہ علاقہ غانا (گھانا) کی اسلامی سلطنت میں شامل رہا جس کا دارالحکومت دریائے نائیجر پر واقع شہر گاؤ (مالی) تھا۔

گیمبیا سلطنت مالی میں

چودھویں صدی کے شروع میں گیمبیا کا بیشتر علاقہ سلطنت مالی کا حصہ بن گیا۔ اس سلطنت کا دارالحکومت ٹمبکٹو تھا۔ سلاطین مالی نے مصر سے مسلم علماء اور ماہر فنون بلائے۔ یوں ٹمبکٹو سونے، چمڑے اور ہاتھی دانت کی تجارت اور علم کا مرکز بن گیا۔

پرتگالی تاجر گیمبیا میں

پندرہویں صدی کے وسط میں پرتگالی مہم جو گیمبیا میں وارد ہوئے اور انھوں نے اس علاقے کی بحری تجارت پر قبضہ کیا۔ 1588ء میں پرتگالی تخت کے دعویدار انٹونیو نے دریائے گیمبیا کی تجارت کے حقوق انگریز تاجروں کے ہاتھ بیچ دیے۔ سب سے پہلے پرتگالیوں نے گیمبیا سے غلاموں کی تجارت کا آغاز کیا تھا۔



برطانوی سامراج گیمبیا میں

1618ء میں شاہ انگلستان جیمز اول نے ایک انگلش کمپنی کو گیمبیا اور گولڈ کوسٹ (گھانا) کے ساتھ تجارت کے حقوق دیے۔ اسے گولڈ کوسٹ اس لیے کہا گیا کہ اس سے متصل سلطنت مالی میں سونے کی تجارت عام تھی اور سلطان منسا موسیٰ سونا بانٹتا ہوا حج کو گیا تھا۔ 1651ء سے 1661ء تک موجودہ گیمبیا کے کئی علاقے لیتھوانیا اور پولینڈ کی مشترکہ سلطنت کے زیرانتظام رہے۔ 1758ء میں فرانس نے سینی گال پر قبضہ کرلیا تو برطانوی گیمبیا پر قابض ہوگئے۔ 1765ء میں انگریزوں نے اپنے مقبوضہ علاقے کو سینی گیمبیا کا نام دیا۔ دریائے گیمبیا کے شمال میں البریدہ کا علاقہ فرانس کے قبضے میں تھا جو اس نے 1856ء میں برطانیہ کے حوالے کردیا۔

یورپی سامراج اور غلاموں کی تجارت

یورپی سامراجی اقوام نے تین صدیوں میں گیمبیا، گنی، سینی گال وغیرہ سے 30 لاکھ افراد کو غلام بنا کر بحراوقیانوس کے پار امریکا لے جا کر بیچ دیا۔ ان غلاموں میں زیادہ تر مسلمان تھے۔ بردہ فروشی کا یہ غیرانسانی دھندا پرتگالی، برطانوی، ڈچ (ولندیزی) اور فرانسیسی بردہ فروش چار صدیوں تک کرتے رہے۔

کُنتا کُنتے سے الیکس ہیلے تک

1970ء کی دہائی میں سیاہ فام امریکی الیکس ہیلے نے اپنے آباء و اجداد کا سراغ لگانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے بردہ فروش کمپنیوں کا ریکارڈ کھنگالتے ہوئے پتہ لگایا کہ اس کا جدّامجد کنتا کنتے نامی نوجوان تھا جسے ایک پرتگالی جہازران کمپنی کے کارندوں نے اغوا کرکے امریکہ پہنچایا تھا۔ اس نے لزبن (پرتگال) جاکر اس کمپنی کا قدیم ریکارڈ دیکھا تو معلوم ہوا کہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں کنتا کنتے کو گیمبیا سے پکڑا گیا تھا۔ یوں ہیلے گیمبیا کے اس گاؤں پہنچ گیا جہاں بڑی بوڑھیوں نے بتایا کہ عمرو کنتا کے بیٹے کُنتا کُنتے کو توبوب (گورے) پکڑ کر لے گئے تھے۔ پھر ہیلے نے The Roots کے عنوان سے اس المیے پر ایک کتاب لکھی جس پر فلم بھی بنی۔

غلامی کا خاتمہ

1807ء میں برطانیہ نے اپنی سلطنت میں غلاموں کی تجارت پر پابندی لگادی۔ برطانوی بحریہ کا ویسٹ افریقن سکواڈرن غلاموں سے بھرے جہازوں کو بحراوقیانوس میں روکتا اور غلاموں کو چھڑا کر جزیرہ میکارتھی میں لے آتا جو دریائے گیمبیا کے دھارے میں واقع ہے۔ وہاں ان کی نئی زندگی شروع ہوتی۔ ان افریقی غلاموں کی آزادی (Liberation) سے ساحل افریقہ پر لائبیریا نامی ملک آباد ہوا۔ گویا موجودہ لائبیریا کے لاکھوں سیاہ فام عیسائی باشندے زیادہ تر مسلمان غلاموں کی اولاد ہیں۔

گیمبیا میں برطانوی حکمرانی

1816ء میں انگریزوں نے باتھرسٹ (موجودہ بنجول) کی فوجی چوکی کی بنیاد رکھی۔ ایک عرصہ باتھرسٹ سیرالیون کے برٹش گورنر جنرل کے ماتحت رہا۔ 1889ء میں فرانس اور برطانیہ نے سینی گال اور گیمبیا کی سرحدیں طے کیں اور اسے برٹش گیمبیا کہا جانے لگا جو کالونی (باتھرسٹ اور مضافات) اور زیر حفاظت علاقے پر مشتمل تھا۔ 1901ء میں یہاں ایگزیکٹو اور قانون ساز کونسلیں قائم ہوئیں۔ آخرکار 1906ء میں گیمبیا میں غلامی کا خاتمہ ہوا۔

گیمبیا آزاد ہوگیا

1962ء میں گیمبیا میں عام انتخابات منعقد ہوئے اور اسے داخلی خودمختاری دی گئی۔ 18 فروری 1965ء کو گیمبیا نے مکمل آزادی حاصل کرلی۔ دوسرے ریفرینڈم کے نتیجے میں 24 اپریل 1970ء کو گیمبیا دولت مشترکہ (کامن ویلتھ) کے اندر ایک جمہوریہ بن گیا اور سرداؤدا کیرابا جوارا نے صدر مملکت کا عہدہ سنبھالا۔ وہ پانچ بار اس عہدے پر فائز ہوئے۔ انھوں نے فروری 1974ء میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس (لاہور) میں شرکت کی۔ لمبے قد کے سیاہ فام داؤد جوارا سر پر مخصوص ٹوپی پہنے معزز سربراہان میں نمایاں نظر آتے تھے۔

سینی گیمبیا وفاق کا قیام

1982ء میں سینی گال اور گیمبیا نے ایک معاہدہ وفاق پر دستخط کیے اور سینی گیمبیا وفاق یا کنفیڈریشن وجود میں آئی۔ اس کے تحت دونوں



ممالک کی فوجوں، کرنسیوں اور معیشتوں کا اتحادعمل میں آنا تھا، تاہم سینی گال میں فرانسیسی سرکاری زبان و ثقافت اور گیمبیا میں انگریزی سرکاری زبان وثقافت ہونے کے باعث یہ اتحاد چل نہ سکا اور سات سال بعد 1989ء میں گیمبیا اس وفاق سے نکل گیا اور ''سینی گیمبیا'' کا خاتمہ ہوگیا۔

گیمبیا میں ناکام انقلاب

29 جولائی 1981ء کو جب صدر داؤدا جوارا برطانیہ کے دورے پر تھے، پیراملٹری ''فیلڈ فورس'' کی مدد سے ایک بغاوت ہوئی۔ صدر جوارا نے سینی گال سے مدد کی درخواست کی تو سینی گال کی فوج نے گیمبیا میں داخل ہوکر بغاوت کچل دی۔ اس ناکام انقلاب میں سات آٹھ سو افراد مارے گئے۔

کامیاب فوجی انقلاب

1994ء میں مسلح افواج نے جوارا حکومت کو برطرف کرکے عبوری حکمران کونسل قائم کردی۔ کونسل کے چیئرمین لیفٹیننٹ یحییٰ جمہ صدرِمملکت بن گئے او روہ آج تک حکومت کررہے ہیں۔ 2001ء میں صدارتی، قانون ساز اسمبلی کے اور مقامی انتخابات منعقد ہوئے اور 21 دسمبر 2001ء کو یحییٰ جمہ نے صدر مملکت کا حلف اٹھایا۔ اکتوبر 2013ء میں گیمبیا دولت مشترکہ سے نکل گیا۔

گیمبیا کا جغرافیہ

گیمبیا جغرافیائی لحاظ سے ایک بہت چھوٹا اور تنگ پٹی کا ملک ہے جو سینی گال کے اندر دریائے گیمبیا کے دونوں طرف واقع ہے۔ یوں شمال، مشرق اور جنوب میں اس کی حدود سینی گال سے ملتی ہیں۔ مغرب میں اسے بحراوقیانوس کا ساحل لگتا ہے۔ گیمبیا کی زمینی پٹی کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی 48.2 کلومیٹر ہے۔ گیمبیا کا ساڑھے گیارہ فیصد رقبہ (1300 مربع کلومیٹر) پانی سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ مین لینڈ پر افریقہ کا سب سے چھوٹا ملک ہے۔ دریائے گیمبیا شمالی گنی کی پہاڑیوں سے نکل کر سینی گال میں بہتا ہوا گیمبیا میں داخل ہوتا ہے اور پھر پورے گیمبیا میں سے شرقاً غرباً گزر کر بحراوقیانوس میں جا گرتا ہے۔

سینی گیمبین حجری دائرے

سینی گال اور گیمبیا دونوں میں قدیم دور کے حجری دائرے یا سٹون سرکلز (Megaliths) واقع ہیں۔ یہ دائرے میں گاڑے ہوئے پتھر ہیں جنھیں یونیسکو نے ''دنیا میں سب سے بڑے حجری دائرے'' قرار دیا ہے۔

گیمبیا کی سیاسی تقسیم

ملک کو آٹھ لوکل گورنمنٹ ایریاز (LGA) میں تقسیم کیا گیا ہے جبکہ دارالحکومت بنجول کو شہر کا درجہ حاصل ہے۔ LGAs درج ذیل ہیں: کانی فنگ، بریکاما، مانسا کونکو، کیریوان، کٹنور، جنجان بورہ، باسے۔

گیمبیا کے مذاہب

گیمبیا کے 90فیصد باشندے اسلام کے پیروکار ہیں۔ مسلمان زیادہ تر مالکی فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں جو شمالی ومغربی افریقہ کا عام مسلک ہے۔ 8فیصد عیسائی ہیں۔ یہاں کچھ قادیانی (احمدی) بھی بستے ہیں۔ زیادہ تر عیسائی رومن کیتھولک فرقے سے وابستہ ہیں۔ مغربی افریقہ کے دیگر ممالک کی طرح گیمبیا میں قرآنی تعلیم کے مدارس کتاتیب کہلاتے ہیں۔

زرعی ومعدنی پیداوار

گیمبیا کی زرعی پیداوار میں چاول، باجرہ، سورگم، مونگ پھلی، مکئی، سیسم (تل)، کساوا اور ناریل شامل ہیں۔ قدرتی وسائل میں مچھلی، ٹیٹانیم، قلعی (ٹن)، زرکون اور سلیکا سینڈ (شیشہ سازی کی ریت) قابل ذکر ہیں۔

گیمبیا کے اہم شہر

بنجول: یہ ملک کا دارالحکومت اور اہم ترین شہر ہے۔ یہ شہر اس مقام پر آباد ہے جہاں دریائے گیمبیا بحراوقیانوس میں گرتا ہے۔ 1810ء میں اسے برطانیہ نے ایک تجارتی بندرگاہ کا درجہ دیا۔ اس کی آبادی ساڑھے چار لاکھ کے قریب ہے۔ ملک کا واحد ہوائی اڈا یہیں ہے۔ بنجول میں قومی عجائب گھر، البرٹ مارکیٹ، سٹیٹ ہاؤس مشہور مقامات ہیں۔

بریکاما: یہ گیمبیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ شہر اپنے لکڑی کے سامان کی وجہ سے پورے افریقہ میں مشہور ہے۔ ملک کے زیادہ تر بڑے تعلیمی ادارے بھی اس شہر میں واقع ہیں۔ کشتی کا بڑا اکھاڑہ اور کرافٹ مارکیٹ یہاں کی مشہور جگہیں ہیں۔



بکاؤ: یہ اپنے ساحلی باغوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہ دارالحکومت بنجول کے بعد سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ شہر مگرمچھوں کے ایک تالاب کے کنارے آباد ہوا تھا۔ یہاں ایک تالاب میں بڑے بڑے مگرمچھ دیکھے جاسکتے ہیں۔ فجارا ہوٹل اور آزادی سٹیڈیم بکاؤ کے قابل ذکر مقامات ہیں۔

گیمبیا کے کھانے

کالڈو(Caldo): مچھلی کے اس مزے دار پکوان میں ایک بڑی صاف اور سالم مچھلی فرائی کرکے لیموں اور پیاز کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

دوموڈا(Domoda): یہ پکوان مونگ پھلی، ٹماٹر، پیاز اور کالی مرچوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ گیمبیا میں سب سے زیادہ مقبول ڈش ہے۔

بناچن (Benachin): اس پکوان میں مچھلی یا چھوٹے بڑے گوشت کو مختلف سبزیوں مثلاً کدو، بند گوبھی اور گاجر کے ساتھ پکایا جاتا ہے۔

فرہنگ الفاظ

بردہ فروشی: غلاموں کو بیچنا۔ غلامی کا کاروبار کرنے والے بردہ فروش کہلاتے تھے۔

بیڑا اٹھانا: کسی کام کا ذمہ لینا۔ قدیم ہندوستان میں کوئی مہم آپڑتی تو دربار میں تھال کے اندر پان کا بیڑا رکھا ہوتا تھا اور مہاراجہ اعلان کرتا کہ کون ہے جو اس مہم کا بیڑا اٹھائے۔ جو بہادر شخص پان کا بیڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیتا، گویا وہ قسم اٹھالیتا کہ فتح پائے گا یا جان دے دے گا۔

دولت مشترکہ: برطانوی دولت مشترکہ (British Commonwealth) برطانیہ کے زیرسایہ ان ممالک پر مشتمل بنی تھی جو برطانیہ کی نوآبادیاں یا اس کے زیرقبضہ رہے۔ اس اتحاد کو اب صرف دولت مشترکہ کہا جاتا ہے۔

دریائے گیمبیا پر جدید پل

دریائے گیمبیا چونکہ ملک کی پوری طوالت میں بہتا ہے، لہٰذا بیشتر باشندوں کو کم و بیش روزانہ کشتیوں سے دریا پار کرنا پڑتا ہے۔ حکومت گیمبیا نے اب دریائے گیمبیا پر ایک بہت بڑا پل بنانے کے منصوبے کا آغاز کیا ہے۔ اس پل سے ان لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا جو کشتیوں اور موٹر بوٹس وغیرہ کی مدد سے دریا کے آرپار کام کے لیے جاتے ہیں۔ ایک کلومیٹر طویل پل اب مکمل ہونے کو ہے۔

دکھی انسانیت کے نام

آج بیمار انسانیت اتائی معالجین کے ہاتھوں اپنا مرض بڑھا کر سسک سسک کر دم لے رہی ہے میرے بھائیو! صحیح علاج کیلئے دوا کے ساتھ ساتھ تدابیر اور غذائی موافقت بھی لازمی ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خونی پیچش ہوں اور تکے کباب روسٹ بروسٹ وغیرہ کھائے جائیں اور پھر شفاء کی امید بھی کی جائے اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ گوشت خوری بھی کی جائے اور تزابیت بھی نہ ہو دودھ اور چاول کھائے جائیں اور نزلہ زکام کو فائدہ ہوجائے۔ میرے بھائیو! حکمت بچوں کا کھیل نہیں یہ طویل ترین ریاضت تجربہ اور محنت کے ساتھ ساتھ قلب ونظر کی پاکیزگی اور توجہ الی اللہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ بفضل تعالیٰ چالیس سالہ تجربہ کے دوران بے شمار ملکی وغیر ملکی مریضوں کا علاج کرچکا ہوں۔ طبیہ کالج کا سابقہ لیکچرار ہوں اور دو بار ڈایک گولڈ میڈل حاصل کرچکا ہوں خدانخواستہ آپ یا آپ کے جاننے والا بھی مرض میں مبتلا ہے تو ایک مرتبہ مجھے علاج کا موقع ضرور دیں۔ انشاء اللہ شفائے کاملہ وعاجلہ ہوگی۔ ہمارے تیار کردہ کورسز میں کوئی نشہ آور، کوئی زہریلی، کوئی ایلوپیتھک دوائی نہیں ہے

جس لیبارٹریز سے چاہیں چیک کروالیں۔ ہمارے 15 روزہ کورسز درج ذیل ہیں

شریان بند ہونا	سرچکرانا	بہرہ پن	مرگی	کڑل پڑنا	دل کا دورہ	اماس	یورک ایسڈ
عصابہ	خواب میں ڈرنا	بند نزلہ	رعشہ	کیرا	دل میں سوراخ	دائمی قبض	فالج
شقیقہ	سرسام	بکسیر	تلخ جنون	دمہ	دل کا وال بند ہونا	قولنج	اعضاء کا سُن ہونا
سیات	حواس باختہ ہونا	موہنہ سے بدبو	خاموش جنون	تپ دق	بھوک بند ہونا	اپینڈکس	اعصابی کمزوری
بے خوابی	سکتہ	رال بہنا	ٹینشن	ٹی بی	بھوک کی زیادتی	بھگندر	ایڈز پیرمیا
نسیان	ضعف بصر	لکنت	دل ڈوبنا	بلڈ پریشر	السر	گیس	سدا جوانی

کورسز بذریعہ ڈاک منگوانے کیلئے رقم پہلے بھیجیں
ملاقات کرنے کیلئے فون پر پہلے وقت لے لیں

میزان بینک سیونگ اکاؤنٹ نمبر
70010101053034
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
034575451199
شناختی کارڈ نمبر
35103-1466875-3
رابطہ نمبر
0345-7545119
0313-7545119

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی نئی منڈی حبیب آباد تحصیل پتوکی ڈویژن لاہور Email:hakeemkarimbhti@hotmail.com